ماہ نامہ

ہمدرد

نونہال

فروری ۱۹۸۵ء

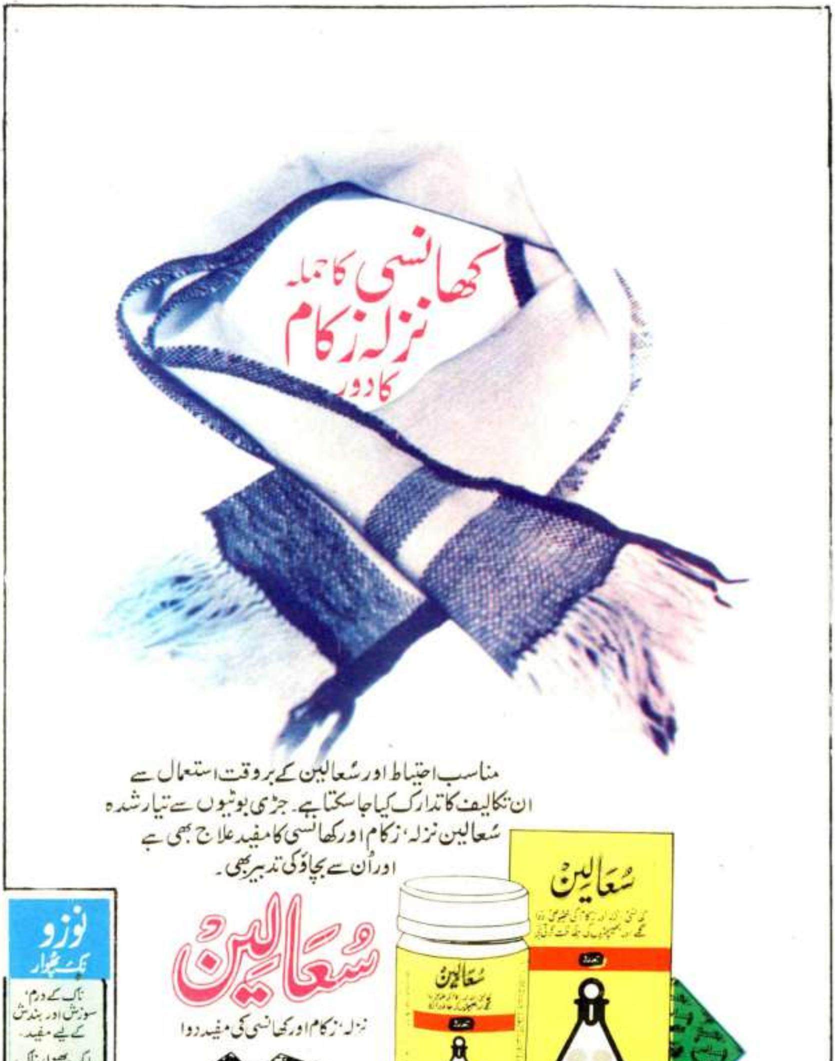

کھانسی کا حملہ
نزلہ زکام
کا دور
مناسب احتیاط اور شعالین کے بروقت استعمال سے
ان تکالیف کا تدارک کیا جاسکتا ہے۔ جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ
شعالین نزلہ، زکام اور کھانسی کا مفید علاج بھی ہے
اور اُن سے بچاؤ کی تدبیر بھی۔
سُعَالِین
نزلہ، زکام اور کھانسی کی مفید دوا
ہمدرد
سُعَالِین
نوزو
نک پھوار
ناک کے ورم،
سوزش اور بندش
کے لیے مفید۔
ایک پھوار ناک
کھول دیتی ہے

فون نمبر 616001 سے 616005 (۵ لائنیں)

ماہنامہ

ہمدرد

نونہال

مجلس ادارت

صدرِ مجلس حکیم محمد سعید

مدیرِ اعلا مسعود احمد برکاتی

مدیرۂ اعزازی سعدیہ راشد

جمادی الاوّل — ۱۴۰۵ ہجری

فروری — ۱۹۸۵ عیسوی

جلد — ۳۳

شمارہ — ۲

قیمت فی شمارہ — ۴ رُپے

سالانہ — ۴۵ رُپے

سالانہ (رجسٹری سے): — ۸۱ رُپے

پتا :

ہمدرد نونہال ، ہمدرد ڈاک خانہ

ناظم آباد

کراچی ۱۸

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان

نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا

اس رسالے میں کیا کیا ہے

جاگو جگاؤ	جناب حکیم محمد سعید	۳
پہلی بات	مسعود احمد برکاتی	۴
دو بہرے (نظم)	جناب شان الحق حقی	۵
خیال کے پھول	ننھے گل چیں	۶
گھریلو ملازمہ نے نوبیل انعام پایا	جناب شہاب الدین انصاری	۷
میرا بکرا (نظم)	محترمہ وحیدہ نسیم	۱۱
یورپ کی سب سے بڑی مسجد	جناب خالد مسعود برکاتی	۱۲
ہمارا جسم کیسے بڑھتا ہے	محترمہ ڈاکٹر صفیہ سید	۱۳
چالاک خرگوش	جناب کرشن چندر	۱۶
نیا ملازم	جناب علی اسد	۲۳
پک نک	جناب معراج	۲۷
طب کی روشنی میں	جناب حکیم محمد سعید	۳۵
پاکستان اور نیوزی لینڈ.....	جناب ساجد علی ساجد	۳۹
اخبارِ نونہال	ننھے صحافی	۴۴
کارٹون	جناب مشتاق	۴۶
متوالی چڑیا (نظم)	جناب شفیق الرحمٰن شفق	۴۹
صحت مند نونہال	ادارہ	۵۰
نونہال مصور	ننھے آرٹسٹ	۵۲
ہمدرد انسائکلو پیڈیا	جناب علی ناصر زیدی	۵۳
تحفے	باذوق نونہال	۵۷
ایک طالب علم، ایک استاد	مسعود احمد برکاتی	۶۱
معلومات عامہ نمبر ۲۲۶	ادارہ	۶۳
ولیم شیکسپیئر	جناب سلیم جعفر	۶۴
کہانی ایک بادشاہ کی	ولیم شیکسپیئر	۶۷
مسکراتے رہو	ننھے مزاح نگار	۷۹
جیتیں پاکستان جیتیں......	ادارہ	۸۱
نونہال ادیب	ننھے لکھنے والے	۸۵
اس شمارے کے مشکل الفاظ	ادارہ	۱۰۳
بزمِ نونہال	نونہال پڑھنے والے	۱۰۴
معلومات عامہ نمبر ۲۲۷ کے جوابات	ادارہ	۱۱۰

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیثِ نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں اُن کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حُرمتی سے محفوظ رکھیں۔

اس رسالے کی تمام کہانیوں کے کردار اور واقعات فرضی ہیں۔ ان میں سے کسی کی کسی حقیقی شخص یا واقعے سے مطابقت محض اتفاقی ہو سکتی ہے، جس کے لیے ادارہ ذمّے دار نہ ہوگا۔

حکیم محمد سعید پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعاتِ ہمدرد ناظم آباد کراچی نمبر ۱۸ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاگو جگاؤ

سُنی سنائی باتوں پر یقین کر لینے سے افواہیں پھیلتی ہیں۔ بہت سے لوگ سادگی میں ہر بات پر یقین کر لیتے ہیں اور اس بات کو سچّا سمجھ کر دوسروں تک پہنچا دیتے ہیں۔ دوسرے لوگ بھی اسی طرح اِس بات کو آگے بڑھاتے رہتے ہیں اور بہت سی غلط باتیں عام ہو جاتی ہیں اور ان کو اکثر لوگ حقیقت سمجھنے لگتے ہیں۔

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ کسی مشہور شخص کے بارے میں ایسی باتیں گھڑ لیتے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ ان لوگوں کا مقصد یا تو اس شخص کو بدنام کرنا ہوتا ہے یا پھر صرف اپنی معلومات کا سکّہ جمانا اور اپنے کو بہت باخبر ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ سادہ لوگ اُن کی معلومات سے مرعوب ہو کر ایسی باتوں کو صحیح مان لیتے ہیں اور یہ سلسلہ چل پڑتا ہے۔

بعض باتیں تو اچھی ہوتی ہیں اور اُن کو مان بھی لیا جائے تو اتنا ہرج نہیں ہوتا، لیکن جو باتیں کسی شخص یا جماعت یا طبقے کے خلاف ہوں اور اس کی بُرائی میں ہوں، اُن کو ماننے سے پہلے خوب اچھی طرح تحقیق کر لینی چاہیے۔ سب سے پہلے تو خود ہی غور کرنا چاہیے کہ یہ بات صحیح ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اکثر صورتوں میں غور کرنے سے اُن باتوں کی قلعی خود ہی کُھل جاتی ہے، لیکن اگر اس طرح بھی تم کسی نتیجے پر نہ پہنچو تو دوسروں سے معلوم کرو۔ اگر تحقیق سے بھی اصل بات نہ معلوم ہو سکے تو پھر اس بات کو ذہن سے اس طرح نکال دو کہ جیسے تم نے سُنی ہی نہیں۔

یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ کسی شخص یا جماعت کے خلاف کسی بات پر اُس وقت تک یقین نہیں کرنا چاہیے جب تک معتبر ذریعوں سے اُس کی تصدیق نہ ہو جائے۔

تمھارا دوست اور ہمدرد

حکیم محمد سعید

پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

لو بھئی، نیا سال تو آپ کے اور آپ کے ہمدرد نونہال کے لیے بڑا مبارک ثابت ہوا۔ سال کا پہلا شمارہ بہ قول شخصے دو دن میں چٹنی ہو گیا، دوبارہ چھپوایا گیا اور وہ بھی دیکھتے ہی دیکھتے ختم ہو گیا۔ بعض نونہالوں کو شکایت بھی ہوئی۔ ہمیں ان کی تکلیف کا احساس ہے، لیکن سچ پوچھو تو ہمیں بھی اتنی مقبولیت کی توقع نہیں تھی۔ ہمدرد آٹو گراف بُک بھی بہت پسند کی گئی۔ ہمیں اُمید ہے کہ وہ اس قیمتی تحفے کو اچھے اچھے لوگوں کے دستخط لے کر حفاظت سے رکھیں گے۔ اس سے یہ فائدہ ہو گا کہ نونہال خود بھی اچھا اور بڑا بننے کی کوشش کریں گے۔ جو شخصیت اچھی معلوم ہو اس کو خراج تحسین پیش کرنے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ خود بھی ویسا ہی بننے کی کوشش کرو۔

اگرچہ ہمدرد نونہال اپنی جگہ خود ایک تحفہ ہے اور بڑا شان دار اور یادگار تحفہ، لیکن پھر بھی ہم بہت جلد ہمدرد آٹو گراف بُک کی طرح کوئی اور تحفہ پیش کریں گے۔ آپ ہمدرد نونہال کے اگلے شمارے غور سے پڑھتے رہیں۔

اس شمارے میں آپ کئی عمدہ عمدہ چیزیں پڑھیں گے۔ مادام کیوری کی زندگی بڑی سبق آموز ہے۔ جناب شہاب الدین انصاری نے لکھی بھی ہے دل چسپ انداز میں۔ اٹلی کی سب سے پہلی اور یورپ کی سب سے بڑی مسجد کے بارے میں معلومات دل چسپ ہونے کے علاوہ روح افزا بھی ہے۔ محترمہ ڈاکٹر صفیہ سید نے سادہ انداز میں بتایا ہے کہ ہمارا جسم کیسے بڑھتا ہے۔ طب کی روشنی میں نونہالوں کے ساتھ ساتھ بڑوں کی دل چسپی بھی بڑھتی جا رہی ہے، اس بار کے سوال و جواب میں محترم حکیم محمد سعید صاحب کا قلم اپنی بہارِ دکھا رہا ہے۔ شیکسپیئر کی مزے دار اور عبرت آموز کہانی کے علاوہ خود شیکسپیئر کے حالات بھی کم دل چسپ نہیں ہیں۔ کرکٹ اور ہاکی پر دو مضمون شامل ہیں، پسند آئے؟ جناب شان الحق حقی کی شان دار نظم "دو بھرے"، کتنی پُر لطف ہے؟ ذرا زور سے بتانا کہ میں بھی سُن لوں اور حقی صاحب بھی۔

دو بہرے

شان الحق حقی

"کہیے حضرت، راضی یا ضی"
"قاضی! ہاں وہ اپنے قاضی
بیٹھے ہوں گے اپنے گھر میں"
"گرمی! جی ہاں کل سے پڑی ہے
دیکھیے بارش کب ہوتی ہے"
"مالش؟ جی وہ چھوڑ دی میں نے
جب سے ہوئے ہیں گرمی دانے"
"گانے؟ ہاں کل رات سُنے تھے
بعضے گیت بہت اچھے تھے"
"جیت گئی ہاں ٹیم ہماری
اب ہے فائنل کی تیاری"
"ترکاری! کیسی ترکاری؟"
"جی اب کوئی نہیں بیماری
کھانسی تھی وہ ہو گئی اچھی"
"بچّی کس کی؟ آپ کی بچّی؟"
"جی ہاں فصل ابھی ہے کچّی
پک جائے گی دس اِک دن میں"
"بس وہ آ گئی، آئیے بیٹھیں"

خیال کے پھول

● حضور اکرمؐ

نیکی سے عمر بڑھتی ہے۔ مرسلہ: ناصر حسین خاں

● امام ابو حنیفہؒ

جو علم نفع حاصل کرنے کے لیے سکھایا جائے دل میں گھر نہیں کرتا۔ مرسلہ: محمد قیصر امام، کراچی

● حضرت بایزید بسطامیؒ

بغیر علم کے بہشت طلب کرنا گناہ ہے۔

مرسلہ: محی الدین خان محی، کراچی

● مولانا رومؒ

جس میں ادب نہیں اس میں سب برائیاں ہی برائیاں ہیں۔ مرسلہ: گل اعوان نیازی، لانڈھی

● حکیم بو علی سینا

حقیقی خوب صورتی کا چشمہ دل ہے، اگر یہ سیاہ ہو تو چمکتی آنکھیں کچھ کام نہیں دیتی ہیں۔

مرسلہ: طارق محمود بٹ، دینہ

● شیخ سعدیؒ

انسان کی عادات میں خوش کلامی اور خلوص سب سے بڑا درجہ رکھتے ہیں۔

● خلیل جبران

میں نے بکواسیوں سے خاموشی، تشدد پسندوں سے سہولت اور درشت مزاجوں سے نرمی سیکھی۔

مرسلہ: محسن رجب علی، نواب شاہ

● آسکر وائلڈ

بعض لوگ جہاں جاتے ہیں اپنے ساتھ خوشیاں لے جاتے ہیں اور بعض ہیں کہ اُن کے چلے جانے سے خوشی ہوتی ہے۔

مرسلہ: ڈائمنڈ عمانوئیل، لاہور

● بقراط

دنیا میں کسی کو جاہل نہ سمجھو، ہر شخص کچھ نہ کچھ سکھا جاتا ہے۔

مرسلہ: محمد ساجد، ملک وال

● چیسٹر فیلڈ

نصیحت شاذونادر ہی مانی جاتی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ جو لوگ نصیحت کے زیادہ طالب ہوتے ہیں اُنھی پر نصیحت گراں گزرتی ہے۔ مرسلہ: شبانہ پروین، کراچی

● جان میسن

مسلسل جدوجہد ہی خوشی کا سرچشمہ ہے۔

● جان راکے فیلر

یہ صحیح نہیں ہے کہ بے پناہ دولت رکھنے والے خوش رہتے ہیں۔

گھریلو ملازمہ نے نوبیل انعام پایا

ماریا کیوری (۱۸۶۷ء - ۱۹۳۴ء)

شہاب الدین انصاری

زمانے کی نیرنگیاں بھی عجیب ہیں۔ کبھی یہ گم نامی میں پیدا ہونے والے کو شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیتی ہیں تو کبھی معروف خاندان کے فرد کو گم نامی کے اندھیرے میں دھکیل دیتی ہیں۔ اب "ماریا اسکلوڈوسکا" کو ہی دیکھیے۔ باپ پولینڈ کے اسکول کا ایک معمولی ٹیچر، ملک غیر ملکی حکومت کا غلام، ماں ٹی بی کی مریض۔ ایسے خاندان میں ایک بچّی پیدا ہوتی ہے۔ ابھی گیارہ برس کی بھی نہیں ہو پائی کہ ماں کا انتقال ہو جاتا ہے۔ باپ کو اپنے وطن کی آزادی کے جُرم میں ملازمت سے برطرف کر دیا جاتا ہے۔ ایک بہن ٹائی فائیڈ کے مرض میں مبتلا ہو کر موت کا لقمہ بن جاتی ہے۔ حکم راں قوم نے عورتوں کی تعلیم پر پابندی لگا رکھی ہے۔

مشکلات کے ان پہاڑوں کے سامنے اچھے اچھوں کی ہمت جواب دے جاتی لیکن ماریا ایک عام لڑکی کب تھی۔ اسے تو دشواریوں سے ہار مان لینے کے بجائے ان کا مقابلہ کر کے ہی خوشی ہوتی تھی۔ ہم وطنوں کی حمایت پر باپ کا جو انجام ہوا وہ اس کے سامنے تھا، لیکن خوف زدہ ہونے کے بجائے اس نے چھپ کر گاؤں کے بچّوں کو پڑھانا شروع کر دیا۔ اس کی بڑی بہن برونیا کی خواہش تھی کہ وہ ڈاکٹر بنے۔ پولینڈ میں رہ کر ڈاکٹر بننا تو درکنار اعلا تعلیم حاصل کرنا ہی غیر ممکن تھا۔ خواہش کے پورا ہونے کا ایک ہی راستہ تھا، فرانس کا سفر، لیکن سفر خرچ اور پیرس میں رہنے کے اخراجات کا بندوبست کیسے ہو؟ اب ماریا کو اپنے ایثار کے جذبے کے مظاہرے

کا ایک اور موقع ہاتھ آیا۔ اس نے بہن کے فرانس بھیجنے اور تعلیمی اخراجات کا بار اٹھانے کی ذمّے داری اپنے سَر لے لی۔ اس کام کے لیے اس نے شہر کے ایک کھاتے پیتے خاندان میں بچّوں کی دیکھ بھال کے لیے ملازمت کر لی۔ البتہ بڑی بہن سے یہ وعدہ لے لیا کہ جب وہ تعلیم مکمل کر لے گی تو ماریا کو فرانس بُلا لے گی۔

جس خاندان میں ماریا بہ حیثیت گورنس کام کرتی تھی، اس کے بڑے لڑکے نے ماریا سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ ماریا بھی شادی کے لیے رضامند تھی، لیکن گھر کی ایک ملازمہ کو بہو بنا کر لانے کا ماحول تو ابھی یورپ میں بھی نہیں پیدا ہوا تھا۔ نتیجہ ذہنی کوفت، شرمندگی اور احساسِ تنہائی اور کوئی ہوتا تو یہی غم جان لینے کے لیے بہت تھا، لیکن اپنی ناکامی پر آنسو بہانے کے بجائے ماریا نے ایک عزم کے ساتھ خود کو سائنس کی تعلیم حاصل کرنے میں گُم کر دیا۔ دھن کی پکّی، ہمّت و جرات کا نمونہ یہی ماریا اسکلوڈوسکا آخر ایک دن دنیا کے چند اُن سائنس دانوں میں شمار ہوئی جسے نوبیل انعام سے دوبار نوازا گیا۔ جو ایک نوبیل انعام پانے والی کی ماں اور دوسرے کی ساس بنی اور جسے دنیا مادام ماریا کیوری (MADAME M. CURIE) کے نام سے جانتی ہے۔

۱۸۹۰ء تک ماریا کے گھریلو حالات قدرے بہتر ہو چکے تھے اور وہ چاہتی تو پیرس جا سکتی تھی، لیکن احتیاط کا تقاضا تھا کہ ابھی کچھ اور صبر کیا جائے۔ آخر ۱۸۹۱ء میں وہ فرانس کے لیے روانہ ہوئی۔ پیسے کی کمی کی وجہ سے اُسے ٹرین کے سب سے نچلے درجے میں سفر کرنا پڑا۔ شروع کے کچھ دن اُس نے اپنی بہن کے گھر گزارے۔ یہاں اُسے ساری سہولتیں میسر تھیں، وقت پر کھانا، دِل بہلانے کے لیے بڑی بہن، ہم وطنوں سے میل جول کے مواقع، البتہ یہاں اسے فرانسیسی زبان سیکھنے کے لیے مناسب فرانسیسی ماحول نہیں مِل رہا تھا۔ دوسری طرف فرانس میں تعلیم کے لیے فرانسیسی زبان پر عبور ضروری تھا۔ آخر ماریا نے گھر کے آرام کو تعلیم کی ضرورت پر قربان کر دیا اور اپنی بہن کے گھر کو چھوڑ کر وہ سوربون یونی ورسٹی کے پاس ایک کرائے کی کوٹھری میں رہنے لگی۔ یہ کوٹھری مکان کی تیسری منزل پر تھی، جہاں چڑھنا اُترنا مشکل تھا۔ پھر کھانے کا بندوبست مناسب نہیں تھا اور اکثر ماریا کو بھوکا رہ جانا پڑتا، لیکن ان پریشانیوں کے باوجود ماریا کو یہ جگہ پسند تھی۔ یہاں اسے مجبوراً فرانسیسی بولنی پڑتی اور مطالعے

کے لیے بہت وقت ملتا۔

آخر مشکل دن ختم ہوئے۔ ۱۸۹۳ء میں وہ طبیعیات (فزکس) اور ۱۸۹۴ء میں میتھمیٹکس کے امتحان میں پوری کلاس میں اوّل اور دوم مقام کے ساتھ کام یاب ہوتی۔ انھی دنوں ان کی ملاقات پیرے کیوری سے ہوئی جو فزکس کے مضمون میں اعلا صلاحیت کے مالک تھے۔ آہستہ آہستہ دونوں میں قربت بڑھی۔ کیوری اکثر ماریا کو تحفے بھیجتے، لیکن یہ تحفے پھولوں کے گل دستے کے بجائے ان کے مضامین ہوتے اور ماریا انھیں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتی تھیں، کیوں کہ اب انھیں اپنے تحقیق کے کام کے لیے کسی مناسب موضوع کی تلاش تھی۔ دوستی کا یہ بڑھتا ہوا رشتہ ۲۰ جولائی ۱۸۹۵ء کو شادی کے رشتے میں تبدیل ہوگیا اور ماریا اب کیوری بن گئیں۔

سائنس کی دنیا میں تکنیکی ایجادات کو بالعموم نظری موضوعات کے مقابلے میں کم قدر و قیمت حاصل ہوتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ نظری میدان میں پیش رفت بڑی حد تک تکنیکی ایجادات کے سہارے ہی ممکن ہوسکی ہے۔ چناں چہ ماریا بھی اپنے تحقیقی نتائج حاصل کرنے کے لیے ایک ایسی ہی تکنیکی ایجاد ویکیوم پمپ کی احسان مند ہیں۔ ویکیوم پمپ کی مدد سے تجربے کی بہ دولت کیتھوڈ شعاع کی ماہیت کا پتا چل پایا اور ایٹم کے ذرّات جنھیں الیکٹرون کا نام دیا گیا، دریافت ہوئے۔ الیکٹرون باہم پیوست ہو کر آخر کیوں کر ایٹم کی صورت اختیار کرتے ہیں؟ تجربے اور جستجو کی اسی راہ پر چل کر ولیم رونٹجن نے ایکسرے کی دریافت کی اور اپنی بیوی کے ہاتھ کی اندھیرے میں ایسی تصویر کھینچی جس میں صرف ہڈیاں اور انگلی کی انگوٹھی نظر آتی تھی۔ سائنس کی دنیا میں اس تصویر کا مقام مونالیزا کی تصویر سے کم اہم نہیں۔

طبیعیاتی تحقیق کے میدان میں یہ وہ دور تھا جب شعاعوں کی ماہیت کو سمجھنے کی کوشش سائنس دانوں کا مرغوب مشغلہ تھا۔ ماریا نے بھی اسی میدان میں مزید تحقیق کرنے کا ارادہ کیا۔

میاں بیوی نے تاب کاری کے اس نئے عنصر کی مناسب مقدار حاصل کرنے کے کام کو روایتی ڈھنگ سے کرنے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے بوہیمیا کی کانوں سے یورینیم کی چھنی ہوئی کئی ٹن راکھ حاصل کی اور اس میں سے نئے مادّے کے علاحدہ کرنے کا صبر آزما کام شروع کیا۔ اپنے اس کام میں دُھن کے پکّے یہ دونوں سائنس داں چار برس تک لگے رہے۔ اسی دوران ماریا کی بڑی بیٹی ایرین پیدا ہوئی۔ اپنے تجرباتی کام کو یہ دونوں سائنس داں اپنے مکان کے

صحن میں ایک شیڈ کے نیچے کرتے تھے اور یہ شیڈ اتنا خراب تھا کہ اس میں سے پانی ٹپکتا رہتا تھا۔ ماریا بالٹی بھر بھر کر راکھ لاتی اور اسے بڑے پتیلے میں پکاتی تھیں۔ پیرے کیوری حاصل شدہ فضلے پر تجربہ کرتے۔ چھت میں دُود کش (دُھواں دان) نہ ہونے کی وجہ سے پکاتے وقت نکلنے والی گیس ان کے جسم میں داخل ہو رہی تھی، لیکن دونوں اس کے مضر اثرات سے بے خبر تھے۔ اس گیس کے ذریعے سے اُن کے جسم میں داخل ہونے والی ریڈیو ایکٹی وِیٹی بڑی حد تک آگے چل کر پیرے کیوری، مادام کیوری اور ان کی بڑی بیٹی ایرین کی موت کا سبب بنی۔ دوسرے لفظوں میں یہ تینوں افراد سائنسی تحقیق کے شہید کہے جاسکتے ہیں۔ انھوں نے اپنے تجربات کے نتائج ایک ڈائری میں لکھے ہیں، لیکن واہ رے شوق، مشکل کے ان ایام کے بارے میں مادام کیوری لکھتی ہیں کہ بے سروسامانی کا یہ دَور ان کی زندگی کا سب سے خوشیوں بھرا دَور تھا۔ مارچ ۱۹۰۲ء میں آخر وہ خالص اس مادّے کو اتنی مقدار میں علاحدہ کرنے میں کام یاب ہو گئے جس کا ایٹمی وزن معلوم کیا جاسکے۔ یہ وہی مادّہ تھا جو آگے چل کر کینسر جیسے موذی مرض کے علاج میں معاون ہوا۔ نوبیل کمیٹی نے میاں بیوی کو ۱۹۰۳ء میں ان کی اس تحقیق کے لیے نوبیل انعام کا مستحق قرار دیا۔ ان کی یہ دریافت نظری طبیعیات کے میدان میں ایک سنگ میل ہے۔ اب یہ بات صاف ہو گئی کہ ایٹم کے اندر ایک قوی عمل واقع ہوتا رہتا ہے۔ اس سمت میں اور زیادہ تحقیق کی بدولت رودر فورڈ نے گاما اور بیٹا شعاعوں کی نشاندہی کی۔

سچ ہے انسان میں اگر سچی لگن ہو تو غلامی کا ماحول، سہولیات کی کمی، صبر آزما حالات، یہ سب چیزیں راہ میں رُکاوٹ کے بجائے کام یابی کی منزل کا زینہ بن جاتے ہیں اور ہم اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے میں کام یاب ہو جاتے ہیں۔ ماریا کیوری کی زندگی ہمارے لیے ایک ایسی ہی مشعلِ راہ ہے۔

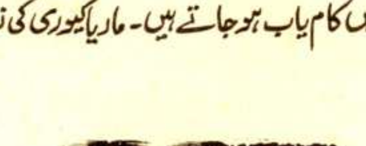

اس نظم کی خوبی یہ ہے کہ آپ اس کو چاہے دائیں سے بائیں یعنی اردو کی طرح پڑھیں یا انگریزی کی طرح بائیں سے دائیں پڑھیں۔ اس کے تسلسل اور مطلب میں فرق نہیں آئے گا۔ نظم کے آخر میں مثال کے طور پر ایک شعر اُلٹ کر لکھ دیا گیا ہے۔ آپ پوری نظم اسی طرح اُلٹ کر پڑھیں اور لطف لیں۔

میرا، کمرا، کیسا، پیارا — اُجلا، سُتھرا، ہر ہر، کونا
چھوٹی، چھوٹی، چیزیں، ساری — ننھی منّی، اِک، الماری
پیاری، پیاری، کتابیں، اسمیں — میٹھی، میٹھی، جنکی، باتیں
نظمیں، اچھی، اچھی، جنکی — جلدیں، عمدہ، عمدہ، سبکی
لٹکی، ہیں، تصویریں، دیکھو — کھڑکی، ہے، یہ، باہر، جھانکو
ہلکے، ہلکے، جسکے، پردے — نیلے، نیلے، سب، دروازے
نجمہ، کمرا، دیکھنے، آؤ
بھیا، اب، تم، باہر، جاؤ

(بائیں سے دائیں پڑھیے)

کونا ہر ہر سُتھرا اُجلا — پیارا کیسا کمرا میرا

اٹلی کی پہلی

اور

یورپ کی سب سے بڑی مسجد

خالد مسعود برکاتی

اٹلی کا دارالحکومت روم عیسائیوں کے ایک بڑے فرقے رومن کیتھولک کا روحانی مرکز ہے اور وہاں ان کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا پوپ کا قیام ہے۔ اٹلی میں مسلمان کم ہیں، پھر بھی کوئی دو لاکھ تو ہوں گے، جس میں سے پچاس ہزار کے قریب تو صرف روم ہی میں آباد ہیں، لیکن حیرت کی بات ہے کہ اٹلی میں اب تک ایک مسجد بھی نہیں تھی۔ مسجد مسلمانوں کی عبادت گاہ ہونے کے علاوہ ایک روحانی مرکز بھی ہوتی ہے، لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اب روم میں ایک مسجد بن رہی ہے، جس کو اٹلی کی پہلی مسجد ہونے کے علاوہ یورپ کی سب سے بڑی مسجد ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہوگا۔ بلدیۂ روم نے اس کے لیے زمین دے دی ہے اور اس کا سنگِ بنیاد پاکستان کے سفیر جناب عبدالوحید نے رکھا ہے۔ پچھلی بہار میں تعمیر شروع ہو چکی ہے۔ اندازہ ہے کہ تین سال میں اِن شاء اللہ یہ عظیم مسجد مکمل ہو جائے گی۔ بہ یک وقت دو ہزار مسلمان اس کے بلند گنبد والے ہال میں نماز ادا کر سکیں گے۔ مینارہ اسّی فیٹ اونچا ہوگا۔ مسجد سے ملحق ایک لائبریری اور ایک کانفرنس ہال بھی ہوگا۔ اس کے علاوہ پانچ ایکڑ کے ایک پارک میں ۱۲۰ درخت بھی لگائے جائیں گے۔ کُل لاگت کا اندازہ تین کروڑ ڈالر ہے۔ ۲۷ مسلمان ملک مسجد کی تعمیر میں حصّہ لے رہے ہیں۔ کیتھولک عبادت گاہ ویٹیکن (پوپ کے محل) سے اگر کوئی موٹر میں جائے تو آدھے گھنٹے میں مسجد پہنچ جاتے گا۔

اس مسجد سے اٹلی کے مسلمانوں کو نہ صرف ایک سجدہ گاہ میسر آجائے گی بلکہ یہ ان کا ایک دینی اور سماجی مرکز اور ثقافتی پہچان بھی بن جائے گی۔

اٹلی میں جو مسلمان آباد ہیں اُن میں زیادہ تر مصر، تونس اور مراکش سے آئے ہوئے ہیں۔ طالب علموں میں اکثریت سعودی عرب اور ایران کی ہے۔

ہمارا جسم کیسے بڑھتا ہے

ڈاکٹر صفیہ سید

پیارے بچو! ہم آپ کو یہ بتائیں گے کہ ہمارا جسم کیسے بڑھتا ہے۔ آپ سب نے غبارہ تو دیکھا ہوگا۔ اس میں جب ہوا بھری جاتی ہے یعنی جب آپ اپنے منھ کے ذریعہ سے ہوا اس میں ڈالتے ہیں تو وہ ایک دم سے بڑا ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ بات ہمارے جسم کے ساتھ نہیں ہے۔ بچے آہستہ آہستہ بڑھتے ہیں۔ نارمل (عام) بچہ پیدائش کے وقت ۵ پاؤنڈ سے ساڑھے آٹھ پاؤنڈ تک کا ہوتا ہے۔ ماں اس کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ اس ننھی سی جان کو دن رات ایک کر کے پالتی ہے۔ شروع میں بہت زیادہ نگہ داشت کی ضرورت ہے۔ سمجھ دار ماں بچے کو وقت اور ضرورت کے مطابق دودھ پلاتی ہے۔ ماں خود اپنے جسم کی صفائی کا خیال رکھتی ہے اور ساتھ ہی بچوں کے کپڑے، دودھ اور برتنوں کی صفائی کا بھی۔ بچوں کے واسطے تازہ صاف پانی، ہوا اور روشنی بے حد ضروری ہے۔

بچہ جوں جوں بڑا ہوتا ہے اُسی قدر اس کی غذائی ضروریات بھی بڑھتی جاتی ہیں۔ ڈیڑھ ماہ کی عمر سے ایک چھوٹا چمچہ کسی رس دار پھل کا دیا جا سکتا ہے۔ تین ماہ کی عمر سے انڈے کی زردی، کیلا، سوجی شروع کر دینی چاہیے۔ ایسا بھی نہیں کہ پورے انڈے کی زردی یا ایک پورا کیلا یا بہت سی سوجی بچے کو ایک وقت میں دے دی جائے۔ بلکہ عقل استعمال کرتے ہوئے ہر چیز تھوڑی تھوڑی دینی چاہیے۔ یعنی شروع میں انڈے کی زردی کی ایک انگلی چٹا دی جائے یا اسی طرح تھوڑی سی سوجی کی کھیر، اس طرح بچہ کھانا سیکھتا ہے۔ آہستہ آہستہ بچے کی خوراک بڑھانی چاہیے۔ نو ماہ سے ایک سال کی عمر تک بچہ ہر قسم کی غذا کھانے لگتا ہے۔ ان سب کے علاوہ دودھ کا استعمال بہت ضروری ہے، کیوں کہ دودھ مکمل غذا ہے۔ بچے کی نشوونما کے ساتھ بچے کا قد بھی بڑھتا ہے۔ پیدائش کے وقت بچے کا جو قد ہوتا ہے اُس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس طرح وزن بھی بڑھ جاتا ہے۔ ماؤں کا فرض

ہے کہ وہ بچّے کا وزن، قد اور عام صحت نوٹ کریں اور کسی طرح کی زیادتی یا کمی کے متعلق فوراً معالج سے رجوع کریں۔ بعض بیماریاں ایسی ہیں جن میں بچّے کا قد بہت زیادہ بڑھتا ہے اور بعض میں قد کا بڑھنا رُک جاتا ہے۔ یہ صورتیں جسم میں مخصوص غدودوں کی رطوبت کے اخراج میں بے ترتیبی کے باعث پیدا ہوتی ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ کسی بچّے کا سَر بڑھنا شروع ہو جاتا ہے یا کسی کا سَر چھوٹا رہ جاتا ہے۔ یہ دماغی امراض کی کیفیات ہیں اور ان کے واسطے فوراً معالج سے مشورہ کرنا چاہیے۔ ایک تن درست بچّے کے واسطے نچلا بیٹھنا بہت مشکل ہے۔ اس کے نتیجے میں اس کو حرارون کی زیادہ ضرورت ہے۔ بڑھتے ہوئے بچّوں کی خوراک میں لحمیات (پروٹین) کی مقدار زیادہ ہونی چاہیے۔ انڈا، دودھ، مرغی، گوشت اور مچھلی میں لحمیات کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔ متوازن غذا کے اجزا لحمیات، معدنیات، نمک اور پانی ہیں۔ کسی خوراک میں لحمیات زیادہ ہیں تو کسی میں روغنیات اور کسی میں نشاستہ وغیرہ۔

بچّو! میں آپ سے یہی کہوں گی کہ آپ ہر طرح کی غذا کھائیں۔ کسی طرح کی ضد نہ کریں کہ یہ پسند ہے اور یہ پسند نہیں ہے۔ ہر طرح کی غذا کھانے سے آپ کے جسم میں کسی بھی ضروری چیز کی کمی نہیں ہوگی اور آپ کا جسم عمر کے مطابق بڑھے گا۔ آپ شکل سے بھی تن درست نظر آئیں گے۔ کھاتے وقت اتنا کھائیں جتنی بھوک ہو اور وقت سے کھائیں۔ پانی صاف اور تازہ پیئیں۔ جسمانی ورزش کو اپنا شعار بنائیں۔ اس سے آپ کے جسم کی ہڈیاں اور پٹھے اچھی طرح بڑھتے ہیں۔ آپ کے تمام اعضا ایک ساتھ کام کرتے ہیں۔ اور جسم بڑھنے کی مقدار اچھی ہوتی ہے۔

الگ الگ

بعض نونہال مختلف تحریریں ایک ہی کاغذ پر لکھ کر بھیج دیتے ہیں، ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ ہر تحریر مثلاً سوال، تحفے، کہانی، بزم کے لیے خط، غرض ہر چیز الگ کاغذ پر لکھنی چاہیے اور کاغذ کی صرف ایک طرف۔ البتہ ایک لفافے میں آپ بہت سے کاغذ رکھ کر بھیج سکتے ہیں۔

ہمدرد گھٹّی

بچّوں کے نظامِ ہضم کے لئے ایک قدرتی دوا

چنیدہ نباتات سے صدیوں پرانے اصولوں پر تیار کردہ ہمدرد گھٹّی نومولود بچّوں کا پیٹ صاف کرنے کے لئے ایک قدرتی دوا ہے۔ انتہائی خوش ذائقہ ہمدرد گھٹّی بچّوں کو گیس، قبض اور پیٹ کی بہت سی دوسری تکلیفوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

خوش ذائقہ
ہمدرد گھٹّی

سلسلے وار کہانی
قسط ہفتم

چالاک خرگوش

کرشن چندر

اس پر بھیڑیے نے کہا، "لاؤ میں تمھاری مدد کرتا ہوں۔" اب بھیڑیا اور ریچھ دونوں مل کر رسّے کو کھینچنے لگے، مگر کچھوا پھر بھی پانی سے باہر نہ نکلا۔ یہ دیکھ کر غنیا، عنیا اور سفیا ہنسنے لگیں۔ اس پر جنگل کے دوسرے جانوروں کو بڑا غصہ آیا کہ اتنا چھوٹا سا جانور اور اسے شکست دے جائے۔ چناں چہ اب کے گیدڑ اور چیتا اور دوسرے جانور بھی اس رسّا کشی میں شامل ہو گئے اور سب مل کے رسّا کھینچنے لگے، لیکن نتیجہ پھر وہی صفر۔

آخر جب سارے جانور زور لگا کے ہار گئے اور انھوں نے رسّا کھینچنا بند کر دیا تو کچھوے نے چپکے سے رسّے کو جڑ سے کھول لیا اور رسّا ہاتھ میں لے کر پانی سے باہر آگیا اور مسکراتا ہوا بولا، "میں نے کہا تھا ریچھ بھیّا، تم بہت طاقت ور ہو، دو بیلوں سے بھی زیادہ طاقت ور ہو، مگر پانی تو میرا اپنا گھر ہے اور پانی کے اندر سے دو کیا چار بیلوں کی طاقت رکھنے والا ریچھ بھی مجھے نہیں نکال سکتا۔"

اس واقعے کے چند روز بعد جنگل کے بہت سے جانور کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔ چیتا ہل چلا رہا تھا اور ریچھ ہل کے آگے بندھا ہوا زور لگا کے ہل کو آگے لے جا رہا تھا۔ لومڑ بڑی ہوشیاری سے جُتی ہوئی زمین میں بیج بو رہا تھا اور بھیڑیا اپنے تیز دانتوں سے کھیتوں میں اُگی ہوئی جھاڑیاں کاٹ رہا تھا اور خرگوش اُن کٹی ہوئی جھاڑیوں کو اپنی بانہوں میں اُٹھا کر دُور پھینک آتا تھا۔

تھوڑی دیر تک اسی طرح کام ہوتا رہا۔ کچھ عرصے کے بعد خرگوش جو کہ ننھا جانور تھا تھک گیا اور اس نے آرام کرنے کے لیے بہانہ کیا۔ اپنے ہاتھ میں ایک پاؤں پکڑ کے کہا، "ارے میرے پاؤں میں کانٹا چبھ گیا ہے، ابھی آتا ہوں۔" یہ کہہ کر خرگوش وہاں سے لنگڑاتا ہوا غائب ہو گیا اور آرام کرنے کے لیے جگہ تلاش کرنے لگا۔

چلتے چلتے وہ ایک کنویں کے پاس پہنچا۔ اس کنویں میں لوہے کی گراری لگی تھی اور اس پر ڈول بندھے تھے، اس طرح کہ اگر ایک ڈول کنویں کے اندر جائے تو دوسرا ڈول خود بخود اوپر آتا تھا۔ خرگوش نے اس قسم کے ڈول کبھی نہیں دیکھے تھے۔ ڈول کو دیکھ کے اسے خیال آیا کہ اس کے اندر بیٹھ کے آرام کرنا چاہیے۔ بہت عمدہ جگہ معلوم ہوتی ہے اور یہاں کسی جانور کو بھی پتا نہیں چلے گا کہ وہ کہاں بیٹھا ہے۔ یہ سوچتے ہی اس نے چھلانگ لگادی اور ڈول میں اُچک کر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی ڈول کنویں میں چلا گیا۔ خرگوش بڑا گھبرایا۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔ مگر ڈر کے مارے وہ چُپ رہا۔ جب ڈول نیچے پانی کی سطح پر پہنچا تو رک گیا۔ خرگوش کو کنویں میں بہت ڈر محسوس ہوا۔ روشنی سے اتنی دُور، اب اسے یہاں آکر کون بچائے گا، مگر جانور ہوشیار تھا۔ اس نے سوچا تھوڑی دیر خاموش بیٹھے رہو۔ دیکھو، شاید قدرت کسی طرح مدد کرے۔

اُدھر کھیت میں لومڑ ہر وقت خرگوش پر نگاہ رکھتا تھا، جب اس نے دیکھا کہ عرصہ ہو گیا اور خرگوش واپس نہیں آیا۔ کانٹا نکالنے میں تو اتنی دیر لگتی نہیں ہے۔ پھر یہ خرگوش گیا کہاں؟ خرگوش سے کئی دفعہ ٹکر لینے کے بعد لومڑ یہ بات اچھی طرح جان گیا تھا کہ خرگوش ضرور کسی نہ کسی شرارت میں مصروف ہو گا، چل کے دیکھیں تو سہی آج کم بخت کس اسکیم میں اُلجھا ہے۔

لومڑ بڑی ہوشیاری سے جُتی ہوئی زمین میں بیج بو رہا تھا۔

یہ سوچ کر لومڑ خرگوش کے پاؤں کے نشان دیکھتا دیکھتا اس کنویں کے پاس پہنچ گیا۔ پھر اس نے یہ نشان کنویں کے اوپر جگت تک دیکھے۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ خرگوش اس کنویں کے اندر بیٹھا کیا کر رہا ہے۔ ہو نہ ہو، لومڑ نے سوچا خرگوش اپنا رُپیہ اس کنویں کے اندر چھپا کے رکھتا ہے۔ لومڑ نے جُھک کر کنویں کے اندر دیکھا۔ اسے اندھیرے کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ کنویں کے اوپر صرف ایک ڈول گراری سے لٹک رہا تھا۔

"ارے خرگوش بھیّا!" لومڑ نے کنویں کے اندر آواز دی، "نیچے کنویں کے اندر کیا کر رہے ہو؟"

خرگوش نے جب کنویں کے اوپر یہ آواز سُنی تو اس کی جان میں جان آئی۔ اس نے فوراً بڑی ہوشیاری سے کہا، "اے بھائی لومڑ، میں کنویں میں مچھلیاں پکڑ رہا ہوں!"

"کنویں میں مچھلیاں ہیں؟" لومڑ نے پوچھا۔

"مچھلیاں ہیں، ارے اتنی بڑی بڑی ہیں کہ میرے ہاتھ نہیں آتی ہیں، میں تو صرف چھوٹی چھوٹی مچھلیاں پکڑ رہا ہوں۔"

"لاؤ میں تمھاری مدد کرتا ہوں، مگر کنویں کے اندر کیسے آؤں؟"

"بڑی آسان بات ہے۔" خرگوش نے نیچے سے چلّا کے کہا، "اوپر جو ڈول لٹک رہا ہے اس میں بیٹھ کے نیچے آجاؤ۔ میں بھی اسی طرح آیا ہوں۔ اس میں ہے کیا!"

خرگوش نے ہنس کر ایسی بے پروائی سے یہ بات کہی کہ لومڑ کو یقین آگیا۔ وہ اسی وقت ڈول میں کُود پڑا۔ اس کے ڈول میں جاتے ہی یہ ڈول تو کنویں کے اندر جانے لگا اور خرگوش والا ڈول کنویں کے اوپر آنے لگا۔ آدھے راستے میں دونوں ڈول ملے۔ خرگوش اور لومڑ ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے۔ خرگوش نے ہنس کے کہا، "بھیّا لومڑ، دیکھ لو۔ یہی اس دنیا کا طریقہ ہے۔ ایک اوپر آتا ہے دوسرا نیچے جاتا ہے۔ اب ذرا اپنے کپڑے بچا کے مچھلیوں کا شکار کرنا۔"

اس کو اس طرح ہنستے دیکھ کر لومڑ کو یقین ہو گیا کہ خرگوش نے اس سے کیسی شرارت کی ہے۔ مگر اب بے چارہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ کنویں سے نکل کر خرگوش ڈول سے کُود کر ان لوگوں کے گھر کی طرف بھاگا، جن کا یہ کنواں تھا اور انھیں بتایا کہ ایک لومڑ اُن کے کنویں میں

کسانوں نے لومڑ کو کنویں سے نکالا اور ڈنڈے سے پیٹنا شروع کیا۔

چھپا بیٹھا ہے۔ کسان لوگ ڈنڈے لے کر آئے اور انھوں نے لومڑ کو کنویں سے نکالا اور ڈنڈے سے پیٹنا شروع کیا۔ بڑی مشکل سے لومڑ وہاں سے جان بچا کے بھاگا۔ پھر بھی اسے جگہ جگہ چوٹ لگی تھی جو اس کے جسم پر بال ہونے کی وجہ سے دکھائی نہ دیتی تھی۔

کھیتوں میں واپس آکے لومڑ پھر کام کرنے لگا۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ ہاں کبھی کبھی کام کرتے کرتے اس کے منھ سے درد کی ایک ہلکی سی چیخ نکل جاتی۔ ایسے موقع پر خرگوش بڑے زور سے ہنس پڑتا۔ لومڑ کو بہت غصّہ آیا۔ اس نے سوچا اب کسی طرح سے بھی ہو وہ خرگوش سے اس کی شرارت کا ضرور بدلا لے گا، مگر اسی وقت چوں کہ سب جانور کام کر رہے تھے اور کام کرتے وقت کوئی جانور کسی دوسرے جانور پر حملہ نہیں کر سکتا۔ یہ جنگل کا قانون تھا، اس لیے لومڑ چپ رہا۔ پھر اس نے یہ بھی سوچا اگر جنگل کے جانوروں کو پتا چلے گا کہ خرگوش نے اسے کس طرح بے وقوف بنایا تھا تو وہ سب لوگ اس پر ہنسیں گے اور اس کی ہیٹی ہو گی۔ یہ سوچ کر بھی وہ چُپ رہا اور موقع کے انتظار میں رہا۔

ایک روز خرگوش کھیتوں میں کام کر رہا تھا اور خرگوشنی اپنے گھر پر بچّوں کے کپڑے سی رہی تھی کہ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ خرگوشنی نے بڑھ کے دروازہ کھولا تو دروازے پر گیدڑ کو پایا۔ وہ بے چاری سہم کر پیچھے ہٹ گئی۔

گیدڑ نے ہانپتے ہوئے کہا، "میں تو کھیتوں سے آیا ہوں۔ دوڑتے دوڑتے تھک گیا

ہوں۔"

"خیریت تو ہے؟" خرگوشنی نے پوچھا۔

گیدڑ نے بُرا سا منھ بنا کر کہا، "ویسے تو سب ٹھیک ہے۔ کھیتوں میں ٹھیک سے کام چل رہا ہے، مگر خرگوش کی ایک ٹانگ پتھر اٹھاتے اٹھاتے زخمی ہو گئی ہے۔ لہو نکل رہا ہے۔ خرگوش نے مجھ سے کہا، میں گھر سے دوا لے آؤں۔ وہ کالی سی دوا جو اندر بیگ میں رکھی ہے۔"

"کالی تو نہیں ہے، وہ مرہم تو سفید ہے۔"

"تو سفید ہی ہوگی۔" گیدڑ نے کہا، "مجھے کیا معلوم؟ جلدی میں مجھے یاد نہیں رہا، کیا کہا تھا اس نے۔ بس بھاگتا ہوا آرہا ہوں، کیوں کہ خون بہت نکل رہا ہے زخم سے۔"

"خون نکل رہا ہے تو مرہم سے کیا ہوگا۔ پٹّی باندھنی ہوگی۔"

"پٹّی تو ہم میں سے کوئی نہیں باندھ سکتا اور ڈاکٹر ندی کے پار ایک بیمار ہاتھی کو دیکھنے گیا ہوا ہے۔"

"پٹّی تو میں خود باندھ لیتی ہوں، مگر اسے اُٹھا کے لائے گا کون گھر میں؟"

خرگوش کے دو بڑے بچّوں نے کہا، "ہم چلتے ہیں، پاپا کو اُٹھا لائیں گے۔ آپ جلدی چلیے، پاپا بہت سخت زخمی ہیں۔"

خرگوشنی نے دوا پٹّی وغیرہ لے لی اور اپنے دو بڑے بچّوں کو لے کر گیدڑ کے ساتھ چلی۔ گیدڑ پہلے تو انھیں پرانے راستے پر لے کر چلتا رہا۔ پھر جنگل جنگل ایک دوسری پگڈنڈی پر ہو لیا۔

خرگوشنی نے کہا، "یہ راستہ تو کھیتوں کو نہیں جاتا۔"

گیدڑ بولا، "یہ تو نئی پگڈنڈی ہے، چھوٹا راستہ نکالا ہے میں نے۔ اس سے ہم بہت جلدی کھیتوں میں پہنچ جائیں گے۔"

گیدڑ آگے آگے چلا۔ پیچھے پیچھے خرگوشنی اور اس کے دونوں بچے۔ راستے میں ایک جگہ درخت نیچے گرا پڑا تھا۔ درخت کے ایک طرف گہری کھائی تھی۔ دوسری طرف اونچی چٹانیں تھیں۔ تیسری طرف جنگل کی ندی بہتی تھی۔ خرگوشنی نے گھبرا کر کہا، "اب آگے کیسے جائیں؟"

گیدڑ بولا، "یہ کوئی مشکل نہیں ہے۔ درخت کی یہ شاخ جو کھائی کے اوپر سے گزرتی ہے

اُس پر سے چھلانگ لگا کے آگے چلی جاؤ۔ آگے راستہ صاف ہے۔"
خرگوشنی نے کہا، "مگر یہ شاخ بڑی پتلی ہے اور بہت ہلتی ہے۔"
گیدڑ نے دونوں ہاتھوں سے شاخ کو اِدھر سے پکڑ لیا اور کہا، "اب چلو۔"
چلتے چلتے خرگوشنی جب شاخ کے بیچ میں پہنچی تو گیدڑ نے ہاتھ کا ایک زور کا جھٹکا دیا جس سے شاخ اتنے زور سے ہل گئی کہ خرگوشنی ہوا میں اُچھل گئی اور پھر چکّر کھاتے ہوئے نیچے کھائی میں جا گری۔ کھائی میں ریچھ، بھیڑیا اور لومڑ پہلے سے تاک میں بیٹھے تھے۔ جونہی خرگوشنی نیچے آئی ریچھ نے اسے دبوچ لیا اور اپنے منھ میں ڈال لیا۔
"ممّی کہاں گئی تو؟" خرگوشنی کے بڑے بیٹے نے چلّا کے کہا۔ نیچے ریچھ نے خرگوشنی کی آواز کی نقل کرتے ہوئے کہا،
"میں پہنچ گئی دوسرے کنارے   جلدی سے آجا میرے پیارے"
بڑے بیٹے نے بھی اسی طرح شاخ پر چلنا شروع کیا۔ جب وہ بیچ میں پہنچا تو پھر گیدڑ نے زور سے ہاتھ کو جھٹکا دیا اور بڑا بیٹا بھی غڑاپ سے کھائی میں جا گرا، جہاں بھیڑیا اس کی تاک میں منھ کھولے بیٹھا تھا۔
اب خرگوش کا دوسرا بیٹا رہ گیا تھا۔ اس نے چلّا کے پوچھا، "میا میا! بھیا بھیا! میں بھی آؤں؟ کدھر کو جاؤں؟"

خرگوشنی ہوا میں اُچھلتی ہوئی کھائی میں جا گری۔

تو بھیڑیے نے ایک چھوٹے لڑکے کی آواز کی نقل کرتے ہوئے کہا،

میں پہنچ گیا دوسرے کنارے، جلدی آ جا بھیّا پیارے
تجھے لے کر باغ میں جاؤں عمدہ عمدہ سیب کھلاؤں

سیب کا نام سنتے ہی خرگوش کے دوسرے بیٹے نے جو اب تک ڈر رہا تھا جھٹ سے چھلانگ لگا دی۔ اس کے ساتھ بھی گیدڑ نے یہی سلوک کیا اور وہ کھائی میں گر گیا جہاں لومڑ ایک عرصے سے منھ کھولے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ لومڑ نے اسے منھ میں دبوچ لیا اور تھوڑی دیر میں جب گیدڑ کھائی میں پہنچا تو اسے صرف چند ہڈیاں کھانے کو ملیں۔

ادھر جب خرگوش کی فیملی کا صفایا ہو رہا تھا اُدھر بے چارہ خرگوش بڑی محنت سے کام کر رہا تھا۔ بڑی تیز دھوپ تھی اور خرگوش کا سارا جسم پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اس نے سر اُٹھا کے کھیتوں میں نظر ڈالی تو اسے نہ ریچھ دکھائی دیا نہ لومڑ، نہ بھیڑیا نہ گیدڑ۔ بس چیتا بڑے اطمینان سے ہل کو ایک طرف ڈالے درختوں کی چھاؤں میں لیٹا ہوا تھا۔ خرگوش کو بڑا غصہ آیا، دیکھو ان بڑے جانوروں کو۔ بس پڑے پڑے آرام کیا کرتے ہیں اور ہم غریب چھوٹے جانور دن رات کھیتوں میں پڑے سڑتے ہیں، لیکن یہ تو تنکا توڑ کے نہ دیں گے۔ جب فصل بانٹنے کا وقت آئے گا تو ہم سے دُگنی بلکہ چوگنی فصل غُرّا کے لے جائیں گے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے؟ خرگوش نے دُور ہی سے چلّا کے چیتے سے کہا، "اُٹھو کھیتوں میں ہل چلاؤ۔"

چیتے نے لیٹے لیٹے جواب دیا "کیسے چلاؤں۔ ریچھ تو ہے نہیں، جسے ہل میں جوتوں۔"

"تو بیج ڈالو۔"

"لومڑ تو ہے نہیں جو بیج صاف کرے گا۔"

"تو جھاڑیاں کاٹو۔"

"وہ بھیڑیے کا کام ہے۔"

"مگر یہ سب لوگ کہاں گئے ہیں، ایک گھنٹے سے غائب ہیں۔"

چیتا چُپ رہا۔ پھر سوچ سوچ کر بولا "وہ لوگ ..... وہ لوگ دریا کے پار راجو ہاتھی کو دیکھنے گئے ہیں۔ راجو ہاتھی عرصے سے بیمار ہے۔"

نیا مُلازم

علی اسد

بہت دِنوں کی بات ہے کہ جنگل کے کنارے لکڑی چیرنے کا ایک کارخانہ تھا۔ اس کارخانے کا مالک ایک بوڑھا آدمی تھا۔ یہ آدمی بڑا اچھا تھا، لیکن اس کا بیٹا سام نہایت کاہل اور خراب تھا۔ سارا کام اس بوڑھے کو ہی اکیلے کرنا پڑتا تھا۔ ایک دن ایک اجنبی اِدھر آپہنچا۔ یہ آدمی غریب معلوم ہوتا تھا۔ اس نے بوڑھے مالک سے کہا کہ اگر مجھے کام

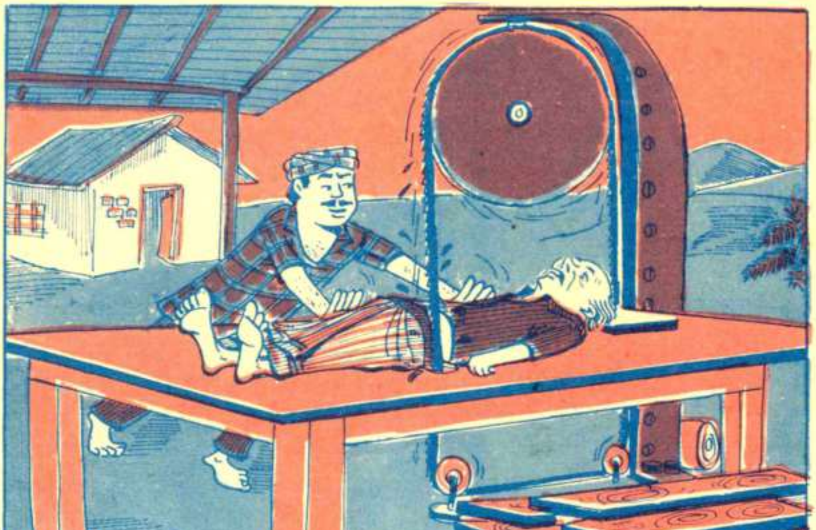

نیا ملازم بوڑھے کو آرے پر لِٹا کر دو ٹکڑے کرنے لگا۔

سکھا دیں تو میں ایک سال تک بغیر تنخواہ کے آپ کا کام کرتا رہوں گا۔ بوڑھے کو تو آدمی کی ضرورت تھی ہی، اس نے اس اجنبی کو ملازم رکھ لیا۔ بوڑھے کے بیٹے سام نے بھی اس آدمی کے آجانے کو اچھا سمجھا، کیوں کہ اب وہ اپنا تھوڑا بہت کام بھی اسی کے سر منڈھنے کی سوچنے لگا۔ نئے ملازم نے کام شروع کر دیا۔ مالک اس کا بڑا خیال رکھتا تھا۔ جو خود کھاتا وہی اس کو کھلاتا، لیکن سام کا رویّہ نئے ملازم کے ساتھ اچھا نہ تھا۔ جب باپ موجود نہ ہوتا تو وہ نئے ملازم کے ساتھ بڑا بُرا سلوک کرتا۔ اگر کبھی باپ اپنے بیٹے کو اس طرح کی حرکتیں کرتے دیکھ پاتا تو اسے اچھی طرح سزا دیتا۔

ایک دن ایک نہایت بوڑھا آدمی لکڑی کے تختے لینے آیا، مگر جب اس نے تختوں کو اپنی پیٹھ پر لادا تو وہ بوجھ سے دُہرا ہو گیا۔ بوڑھے کی اس ناتوانی کو دیکھ کر نئے ملازم نے سام اور اس کے باپ سے کہا، "اگر آپ دونوں تھوڑی دیر کے لیے جنگل میں چلے جائیں تو میں اس آدمی کو پھر سے جوان بنا دوں، لیکن آپ یہ وعدہ کریں کہ مُڑ کر اِدھر ہرگز نہ دیکھیں گے۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو پھر غضب ہو جائے گا۔"

دونوں باپ بیٹوں نے وعدہ کر لیا اور جنگل میں چلے گئے۔ اب نئے ملازم نے اس بوڑھے سے کہا، "جاؤ، اب تم آرے پر لیٹ جاؤ۔" جب وہ بوڑھا لیٹ گیا تو نئے ملازم نے آرا چلا دیا اور اس بوڑھے کے جسم کے دو ٹکڑے کر ڈالے۔ پھر اس نے اِن دونوں ٹکڑوں کو دریا میں پھینک دیا۔ دریا میں پھینکنا تھا کہ دونوں ٹکڑے آپس میں جڑ گئے اور وہ بوڑھا آدمی توانا اور تن درست ہو کر دریا سے نکل آیا۔ بوڑھے نے ملازم کا شکریہ ادا کیا۔ ملازم نے کہا، "دیکھو، اس کے بارے میں کسی سے بھی کچھ نہ کہنا۔"

پھر ملازم نے مالک اور اس کے بیٹے کو آواز دے کر بُلا لیا۔ انھوں نے جو اس بوڑھے کو توانا اور تن درست دیکھا تو وہ حیران رہ گئے۔ وہ طرح طرح کے سوالات کرنے لگے، مگر ملازم خاموش رہا۔ مجبور ہو کر وہ بھی چپ ہو گئے۔

کچھ عرصے کے بعد بوڑھے مالک کو اطلاع ملی کہ اس کی ماں بیمار ہو گئی ہے۔ اسے اپنی ماں کو دیکھنے جانا پڑا۔ جانے سے پہلے اس نے سام کو تاکید کر دی کہ نئے ملازم کو تنگ نہ کرے، لیکن جوں ہی بوڑھا روانہ ہوا سام نے نئے ملازم کو پریشان کرنا شروع کر دیا۔ آخر

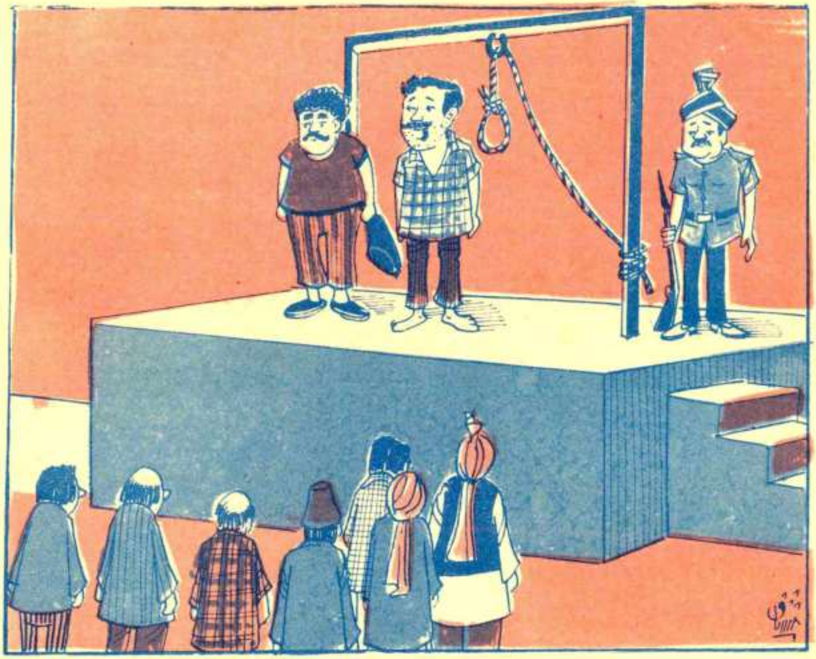

سام نے سوچا کہ وہ اگر بُرا سلوک نہ کرتا تو اسے پھانسی نہ ہوتی ۔

نئے ملازم نے سام سے کہا، "دیکھو اگر تم اسی طرح کا برتاؤ کرتے رہے تو میں کام چھوڑ دوں گا۔" سام پر تو شیطان سوار تھا۔ وہ بولا، "تم اسی وقت چلے جاؤ۔"

دوسرے دن نیا ملازم چلا گیا۔ مگر کسی نے اس کو جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اس کے دوسرے دن وہی بوڑھا جو توانا ہو گیا تھا وہ آگیا اور اپنے ساتھ اپنی بوڑھی بیوی کو بھی لیتا آیا اور کچھ کھانے پینے کی چیزیں بہ طور سوغات لیتا آیا۔ کھانے کی چیزیں دیکھ کر سام کے منھ میں پانی بھر آیا۔

کچھ دیر کے بعد بوڑھے نے بتایا کہ وہ چاہتا ہے کہ نیا ملازم اس کی بیوی کو بھی تن درست و توانا کر دے۔ سام نے کہا، "ملازم کل آجائے گا۔ تم یہ چیزیں میرے پاس چھوڑ جاؤ۔ میں اسے دے دوں گا۔" مگر بوڑھا بھی چالاک تھا۔ اس نے چیزیں چھوڑنا منظور نہیں کیا۔ اس پر سام بولا، "نیا ملازم اپنے بیمار باپ کو دیکھنے گیا ہے اور جانے سے پہلے وہ مجھ سے کہہ گیا ہے کہ

میں بھی اسی طرح کروں جس طرح اس نے کیا تھا۔" یہ سُن کر بوڑھے نے سام کو بتا دیا کہ نئے ملازم نے اس کے ساتھ کیا کیا تھا۔ چناں چہ سام نے بوڑھے سے کہا کہ وہ جنگل میں چلا جائے۔ اور اپنی آنکھیں بند رکھے۔ اس کے بعد سام نے اس بوڑھی عورت کے جسم کے دو ٹکڑے کر ڈالے اور انھیں دریا میں پھینک دیا۔ مگر وہ دونوں ٹکڑے الگ ہی الگ رہے۔ اب تو سام گھبرایا۔ اس نے دونوں ٹکڑوں کو جوڑنے کی بہت کوشش کی مگر کامیابی نہیں ہوتی۔ اتنے میں بڑھیا کا شوہر جنگل سے آگیا اور وہ اپنی بیوی کے جسم کو کٹا ہوا دیکھ کر چیخنے چلّانے لگا۔ آس پاس کے تمام لوگ اکھٹے ہو گئے اور سام کو پکڑ کر لے گئے۔

اس پر مقدمہ چلا اور پھانسی کی سزا ہو گئی۔ اسی عرصے میں سام کا باپ آگیا۔ اس نے بڑی منّت سماجت کی، مگر جج نے ایک نہ سُنی۔ آخر سب لوگ پھانسی کے تختے کی جانب روانہ ہو گئے۔ جج نے سام سے پوچھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ اتنے میں سام نے اچانک اسی نئے ملازم کو دیکھ لیا کہ وہ بھی مجمع میں کھڑا ہوا مسکرا رہا ہے۔ اب سام کو احساس ہوا کہ اس نے ملازم کے ساتھ کتنا خراب سلوک کیا تھا۔ لہٰذا سام بولا:

"بھائیو اور بہنو! خوب غور سے سنو جو کچھ میں کہنے والا ہوں۔ دیکھو کسی کے ساتھ خراب سلوک نہ کرنا۔ اگر میں نے اس شخص کے ساتھ بُرائی نہ کی ہوتی جو اس مجمعے میں موجود ہے تو آج میں اس پھانسی کے تختے پر نہ ہوتا۔"

یہ سُن کر تمام سام کے دوست رونے لگے۔ اتنے میں نیا ملازم لپک کر سام کے پاس آگیا اور اس سے کہا: "کیا تم اپنی خراب حرکتوں پر نادم ہو؟"

سام بولا "بے شک میں نادم ہوں۔ میں تم سے معافی مانگتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ میرے مرنے کے بعد تم میری بدسلوکی کو معاف کر دو گے۔"

اس کے بعد نیا ملازم بڑے زور سے چلّایا، "آپ لوگ اس آدمی کو پھانسی پر بھلا کیسے لٹکا سکتے ہیں، جب کہ وہ عورت یہاں زندہ کھڑی ہوئی ہے جس کے قتل کا اس پر الزام ہے۔"

اب جو لوگوں نے دیکھا تو واقعی وہی بوڑھی عورت جس کے قتل کا الزام سام پر تھا اپنے شوہر کے ساتھ کھڑی ہوئی ہے۔ فوراً سام کو پھانسی کے تختے سے اُتار لیا گیا اور بڑی خوشیاں منائی گئیں، لیکن وہ نیا ملازم اس روز کے بعد پھر کبھی دکھائی نہ دیا۔

پک نِک

معراج

طاہر نے باورچی خانے میں داخل ہوتے ہی آواز دی، "امّی، کل سب بچّے پک نِک پر جا رہے ہیں۔ آہا کتنا مزا آئے گا۔"

امّی نے پوچھا، "بیٹا، کل تمھیں کس وقت جانا ہے؟"

طاہر نے کہا، "نو بجنے میں دس منٹ پر۔ میرا خیال ہے کہ میں وقت پر پہنچ جاؤں گا۔"

امّی نے کہا، "ہم آٹھ بجے ناشتا کرتے ہیں۔ تمھیں سائکل پر اسکول جانے میں صرف دس منٹ لگیں گے۔"

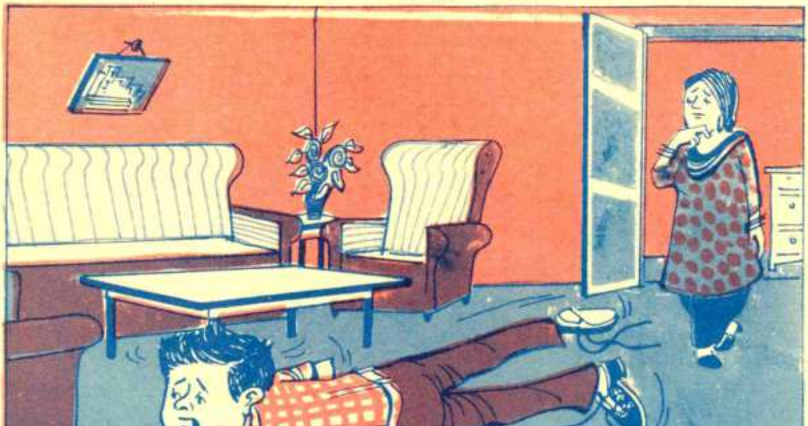

طاہر کا پاؤں تسمے پر آگیا اور وہ اُلجھ کر گر پڑا۔

طاہر نے کہا، "اوہو! آپ نے خوب یاد دلا دیا، میرا خیال ہے کہ ٹائر پنکچر ہو گیا ہے۔ پچھلا پہیّا کچھ دب رہا تھا۔"

امّی بولیں، "تمھارے ابّو کہہ رہے تھے کہ ٹائر میں نئے واشر ڈالے جائیں گے۔ تم فوراً سائکل والے کی دکان پر جا کر اس کی مرمت کروالو۔"

یہ کہہ کر امی نے اسے دو اٹھنّیاں دے دیں۔ طاہر بولا، "میں چائے پی کر جاؤں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے پیسے جیب میں رکھ لیے۔ ایک سکّہ اس کی جیب سے نکل کر گر پڑا۔

وہ بولا، "اوہو میری جیب میں سوراخ ہے۔"

امی خفا ہو کر بولیں، "اب اتنے کاہل بھی نہ بنو۔ دو چار ٹانکے لگا کر سوراخ کو سی ڈالو یا سوئی ڈورا مجھے لا کر دو، میں خود اسے رفو کر دوں گی۔"

طاہر نے کہا، "امی، آپ فکر نہ کیجیے۔ میں اسے کچھ دیر بعد خود ہی رفو کر لوں گا۔"

امی ناراض ہو کر بولیں، "تم بہت ٹالو ہو۔ "تھوڑی دیر بعد۔" "ابھی کچھ دیر میں" یہ ہے تمھارا تکیہ کلام۔ اگر تمھیں کوئی کام کرنا ہو تو فوراً کر ڈالو۔"

طاہر بولا، "امی، پہلے میں چائے پی لوں، پھر سب کام خود ہی کر لوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ دروازے تک گیا۔ جوتے کا تسمہ کھلا ہوا تھا۔ اس کا پاؤں تسمے پر آ گیا اور وہ الجھ کر گر پڑا۔

امی بولیں، "تم نے آج بھی تسمے نہیں باندھے، تم دنیا کے سب سے زیادہ کاہل لڑکے ہو۔ چلو انھیں فوراً باندھو۔ یہ کتنا برا لگتا ہے کہ تمھارے کھلے ہوئے تسمے فرش پر گھسٹتے ہوئے جائیں۔ دیکھنا تم کسی دن بری طرح گر و گے۔"

طاہر نے جوتے نکال کر پھینکے اور بولا، "لیجیے امی جان، میں سلیپر پہن لیتا ہوں۔"

طاہر نے چائے پی۔ امّی باغیچے میں پھولوں کو پانی دینے چلی گئیں۔ اس نے جانے سے پہلے ایک دفعہ پھر سائکل کا واشر تبدیل کرنے اور جیب کو رفو کرنے کی یاد دہانی کروائی۔

امی باورچی خانے میں چلی گئیں۔ طاہر نے دل میں سوچا کہ "ابھی تو بہت دیر ہے، میں ذرا دیر کہانیاں پڑھ لوں، پھر چلا جاؤں گا۔" اس نے کہانیوں کی ایک کتاب اٹھائی اور پڑھنے بیٹھ گیا۔ کتاب پڑھتے پڑھتے اسے نیند آنے لگی اور وہ سو گیا۔ جب وہ جاگا تو شام کے چھے بج چکے تھے۔

دُکان دار اپنی دُکانیں بند کر کے گھر واپس جا رہے تھے۔ طاہر بولا، "اب بازار جانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ وقت بھی تو پَر لگا کر اُڑتا چلا جا رہا ہے۔"

پھر اس کا دھیان پھٹی ہوئی جیب کی طرف گیا۔ "او ہو، یہ تو میں بالکل بھول ہی گیا تھا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ میں ابھی ذرا دیر میں اسے رَفو کر دوں گا۔"

پھر وہ کسی اور کام میں مصروف ہو گیا اور پھٹی ہوئی جیب کی مرمت کرنا بھول گیا۔ سونے سے ذرا دیر پہلے ایک دفعہ پھر اسے جیب کا خیال آیا، لیکن اسے اب نیند آ رہی تھی۔

امّی نے پکارا، "طاہر، طاہر، تم کہاں ہو بیٹے؟ تم نے اب تک کھانا بھی نہیں کھایا اور اب تمھارے سونے کا وقت بھی ہو گیا ہے۔"

طاہر نے جلدی جلدی کھانا کھایا اور بستر پر لیٹ گیا۔ ایک دفعہ پھر اسے پھٹی ہوئی جیب کا خیال آیا۔ وہ بولا، "او ہو، یہ تو بہت بُرا ہوا۔ میں نے نہ تو ٹائر کا وال تبدیل کروایا اور نہ جیب کی مرمت کی۔ خیر کوئی بات نہیں۔ کل میں ٹائر میں اچھی طرح ہوا بھر لوں گا تاکہ وقت پر اسکول پہنچ سکوں اور پھٹی ہوئی جیب کا علاج یہ ہے کہ اس میں کوئی چیز نہ رکھوں گا۔"

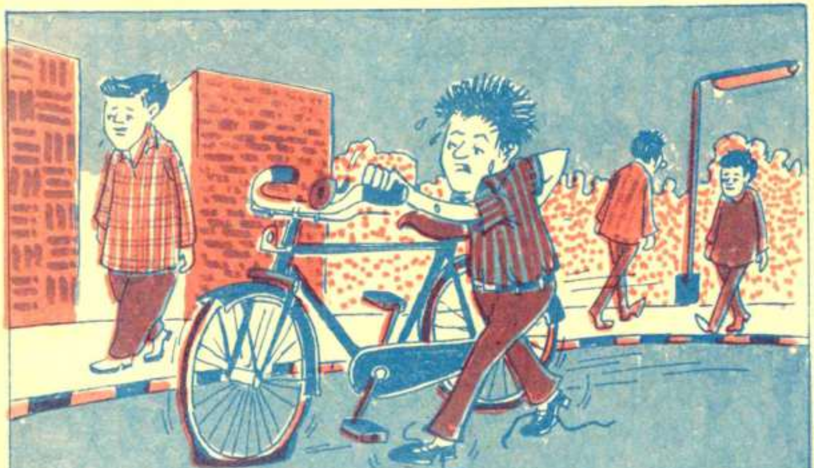

طاہر سائکل کھینچتا ہوا گھر واپس پہنچا۔

اگلی صبح جب وہ بیدار ہوا تو دل خوشی کے جذبات سے لبریز تھا۔ وہ دن بے حد خوش گوار تھا۔ سورج کی چمکیلی شعاعیں کمرے کو روشن کر رہی تھیں اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا طبیعت میں گدگدی پیدا کر رہی تھی۔ وہ بہت دیر تک آنکھیں بند کیے لیٹا رہا۔ امّی نے بہت سی آوازیں دیں، "طاہر، طاہر، کیا آج یوں ہی سوتے رہو گے؟ آج تمھیں چڑیا گھر بھی تو جانا تھا۔"

طاہر اُچھل کر بستر سے نیچے اُترا۔ وہ دو دو سیڑھیاں پھلانگتا ہوا نیچے اُترا۔ لپ جھپ ہاتھ منھ دھویا۔ نہ دانت صاف کیے اور نہ بالوں میں کنگھی کی۔ اس نے جلدی سے اسکول کی یونی فارم پہنی۔ اس جلدی میں وہ قمیص کے بٹن لگانا بھی بھول گیا، پھر اس نے جوتے پہنے اور عادت کے مطابق اُن کے تسمے بند نہیں کیے۔

جب وہ ناشتے کی میز پر بیٹھا تو سوا آٹھ بج چکے تھے۔ ابّو نے کہا، "آج پھر دیر ہو گئی ہے؛ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے کنگھی بھی نہیں کی، اور یہ بٹن کیوں کھلے ہوئے ہیں؟"

طاہر نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ لمبے لمبے گھونٹ بھر کر چائے پیتا رہا۔ امی نے سینڈوچ بنائے۔ دو پراٹھے تل دیے۔ یہ سب چیزیں ناشتے دان میں رکھ کر انھوں نے طاہر کو دے دیں۔

طاہر بولا، "شکریہ امی جان، خدا حافظ۔"

یہ کہہ کر وہ دوڑتا ہوا گیا۔ اس نے اپنی سائکل نکالی۔ اس کے ٹایر میں بالکل ہوا نہیں تھی۔ اس نے دل میں سوچا، "کاش میں نے کل ہی وَاٹو تبدیل کروا لیا ہوتا۔ اب پہلے اس میں ہوا بھرنی پڑے گی۔" طاہر نے بہت دیر تک ہوا بھری۔ ٹایر بہت سخت ہو گیا۔ وہ جلدی سے گدی پر بیٹھا اور اسکول کی طرف چل دیا۔ گلی کے موڑ تک پہنچتے پہنچتے ٹایر کی ہوا پھر نکل گئی اور وہ ہچکولے کھانے لگی۔

طاہر پریشان ہو کر بولا، "اب اسے واپس لے جانا پڑے گا۔ امّی سے پیسے لے کر بس میں چلا جاؤں گا۔ مجھے جلدی کرنی چاہیے، ایسا نہ ہو کہ بس بھی نکل جائے۔"

وہ سائکل کو کھینچتا ہوا واپس گھر پہنچا۔ اس نے سائکل باغیچے میں چھوڑی اور دوڑتا ہوا امّی کے پاس پہنچا، "امی سائکل کی ہوا نکل گئی ہے۔ اب میں بس پر جاؤں گا۔"

امّی نے پوچھا، "بیٹا، کیا تم کل اُس کا داٹو تبدیل کروانے نہیں لے گئے تھے؟ تم تو بہت نکمے اور کاہل لڑکے ہو۔"

امی نے بٹوے سے نکال کر دو چونیاں طاہر کو دیں۔ وہ جلدی سے بولا" شکریہ امی جان، خدا حافظ۔"

وہ دوڑتا ہوا بس اسٹاپ پر پہنچا۔ اس نے اپنی جیب ٹٹول کر دیکھی۔ وہ خالی تھی۔ وہ حیران ہو کر سوچنے لگا کہ یہ چونیاں کہاں گئیں؟

دراصل ہوا یوں کہ جب طاہر دوڑتا ہوا باغیچے سے گزرا تو وہ چونیاں جیب کے سوراخ سے نکل کر گھاس پر گر پڑی تھیں، اس لیے ان کے گرنے کی آواز سنائی نہیں دے سکی۔ طاہر کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ سوچنے لگا کہ اگر میں سوراخ کی مرمت کر لیتا تو اس وقت یہ پریشانی نہ اٹھانی پڑتی۔ اب کیا کروں؟ کنڈکٹر مجھے کرایہ لیے بغیر بس میں بیٹھنے نہیں دے گا۔"

اب دوبارہ گھر جا کر پیسے لانے کا بھی وقت نہیں تھا، کیوں کہ بس آنے ہی والی تھی۔ اس نے سوچا کہ اب صرف ایک صورت باقی رہ گئی ہے، وہ یہ کہ میں بغیر رُکے ہوئے اسکول تک دوڑتا چلا جاؤں۔ میں بہت تیز دوڑ سکتا ہوں اور پھر میں نزدیک کا راستہ اختیار کروں گا اور کھیتوں سے گزرتا ہوا جاؤں گا۔ میں ضرور وقت پر اسکول پہنچ جاؤں گا۔"

وہ بہت تیزی سے گلی میں دوڑنے لگا۔ اس سے آگے کھیتوں کا سلسلہ تھا۔ اس نے باڑ پھلانگی اور کھیت میں دوڑنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس کا سانس پھول گیا، پھر ایک بات اور بھی ہوئی۔ طاہر نے اپنے جوتوں کے تسمے نہیں باندھے تھے۔ اس کا ایک تسمہ دوسرے جوتے کے نیچے آگیا اور وہ دھڑام سے گرا۔ وہ ناشتے دان جس میں پراٹھے اور سینڈوچ تھے، ہاتھ سے چھوٹ گیا اور ایک گندے نالے میں جا گرا۔

طاہر کے ناک منھ میں مٹی بھر گئی تھی اور دونوں گھٹنے بھی چھل گئے تھے۔ وہ اپنا حال حلیہ دیکھ کر زور زور سے رونے لگا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ اب بھی کافی وقت ہے۔ اگر میں دوڑ لگاؤں تو وقت پر اسکول پہنچ جاؤں گا۔ آج کا دن ہی منحوس تھا۔ پہلے سائکل کی ہوا نکل گئی، پھر جیب سے پیسے گر گئے اور اب تسمے کی وجہ سے اتنی چوٹیں آئیں۔ نہ جانے اب آئندہ کیا کچھ ہو؟"

طاہر نے دوڑنے کی کوشش کی، لیکن دائیں گھٹنے کی چوٹ کی وجہ سے وہ لنگڑا لنگڑا کر چلنے لگا۔ اب اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ وقت پر اسکول نہ پہنچ سکے گا۔ اس نے دل میں سوچا، مجھے اب گھر واپس چلنا چاہیے۔ میں جو کچھ بھی کرتا ہوں اُس میں کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور ہو جاتی ہے۔

طاہر کے ہاتھ سے ناشتے دان چھُوٹ کر گندے نالے میں گر گیا۔

وہ لنگڑاتا ہوا واپس گھر آیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ امی بھی اس حال حلیے میں دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ انھوں نے پوچھا:

"کیا ہوا؟ کیا تم بس نہیں پکڑ سکے؟"

طاہر روتے ہوئے بولا، "امی، آج صبح سے سب کام اُلٹے ہو رہے ہیں۔ پہلے میری سائکل کے ٹایر کی ہوا نکل گئی۔ پھر میری جیب سے پیسے نکل کر گر پڑے۔ پھر میرا پاؤں تسمے پر آگیا اور میں بُری طرح گرا۔ امی میں بہت بد نصیب ہوں۔"

امی کو اس کا حال دیکھ کر ترس آگیا۔ انھوں نے کہا، "بیٹا، میں تمھیں ڈانٹ ڈپٹ نہیں کروں گی، کیوں کہ پہلے ہی تمھیں بہت سزا مل چکی ہے، لیکن ایک بات غور سے سُن لو۔ اس میں قصور نہ سائکل کا تھا نہ جیب کا اور نہ جوتے کے تسمے کا۔ اپنی مصیبت کے ذمے دار تم خود ہو۔ یہ سب باتیں اس لیے پیش آئیں کہ تم کام کو وقت پر نہیں کرتے۔"

طاہر روتے ہوئے بولا، "ہاں میں جانتا ہوں کہ سب قصور میرا ہی ہے۔ امی جان، سینڈوِچ کا ڈبّا بھی نالے میں گر پڑا۔"

امی نے کہا "بیٹا، اب اپنے آنسو پونچھ ڈالو اور جا کر منھ ہاتھ دھو لو۔ ابھی مجھے تمھاری خالہ جان کے پاس جانا ہے۔ میں گھر واپس آکر پوچھوں گی کہ تم نے اپنا وقت کیسے گزارا؟

تم جانتے ہو طاہر نے کیا کیا؟ وہ اپنی سائکل کو دُکان دار کے پاس لے گیا اور اس میں نیا والو ڈلوا دیا۔ گھر پہنچ کر اس نے اپنی جیب رفو کی۔ ایک ڈبّے سے نئے تسمے نکالے اور انھیں اپنے جوتوں میں ڈال کر گرہ لگا دی۔ اب طاہر نے اطمینان کا سانس لیا اور بولا، "جو کچھ مجھے کرنا تھا وہ میں پورا کر چکا ہوں۔ مجھے سبق مل گیا ہے کہ آج کا کام کل پر نہ ٹالو جو کچھ کرنا ہے وہ فوراً کر لو۔"

طاہر میاں کو بہت پریشانی اور تکلیف اُٹھا کر عقل آئی، لیکن انھوں نے ایک اچھی بات تو سیکھ لی۔ یہ پک نِک سے بھی اچھی بات ہوئی۔

○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○

پتا نہ لکھنے کے نقصان

بعض نونہال جب کوئی خط لکھتے ہیں، مضمون، کہانی، تصویر یا تحریر بھیجتے ہیں تو اس پر اپنا پتا نہیں لکھتے۔ بعض نونہال ایک لفافے کی کئی تحریروں میں سے کسی ایک تحریر پر یا صرف لفافے پر اپنا پتا لکھنا کافی سمجھتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب یہ تحریریں الگ خانوں یا فائلوں میں چلی جاتی ہیں تو اُن کے ساتھ پتا نہیں رہتا۔ نونہالوں کے اخلاق بہت اچھے ہیں۔ اس لیے ان کو یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ کسی کو خط لکھا جائے تو اس کو اپنا پتا لکھنا بھی اخلاقی فرض ہے اس لیے جب بھی آپ کوئی خط یا تحریر لکھیں سب سے پہلے کاغذ کے اوپر اپنا نام اور پورا پتا صاف صاف لکھیے۔

پتا نہ لکھنے سے کئی طرح کے نقصان ہوتے ہیں۔ ایک تو یہی ہے کہ جس کو آپ نے خط لکھا ہے اس کو پریشانی اور الجھن ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ آپ کو جواب نہیں ملتا یا آپ کی تحریر شائع نہیں ہوتی۔ تیسرے ایک نقصان اور بھی ہے۔

وہ نقصان ہے کہ ہمارے صدر مجلس محترم حکیم محمد سعید صاحب کبھی کبھی کسی نونہال کی تحریر سے خوش ہو کر خوشی کے اظہار کے لیے اس کو کوئی کتاب تحفے میں بھیجتے ہیں۔ پتا نہیں ہوگا تو تحفہ کہاں بھیجیں گے؟ خط لفافے میں بند کرنے سے پہلے دوبارہ دیکھ لینا چاہیے کہ ہم کہیں اپنا نام پتا لکھنا تو نہیں بھولے۔ شاباش۔

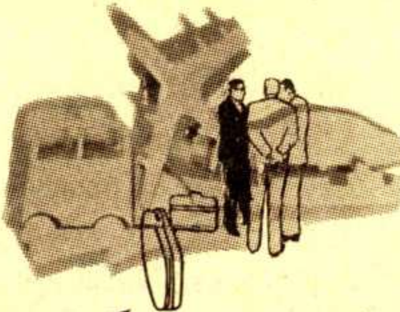

سفر میں کارمینا ساتھ رکھیے

سفر مختصر ہو یا طویل سفر کی تکان، آب و ہوا اور کھانے پینے کے معمول میں تبدیلی عموماً نظامِ ہضم کو متاثر کرتی ہیں۔
دورانِ سفر اپنی غذا کا خاص خیال رکھیے۔
اناپ شناپ اور مرچ مسالے دار اشیائے خوردنی سے پرہیز کیجیے۔
بدہضمی، قبض، گیس، سینے کی جلن اور تیزابیت وغیرہ کی صورت میں کارمینا استعمال کیجیے۔

کارمینا

نظامِ ہضم کو بیدار کرتی ہے، معدے اور آنتوں کے افعال کو منظم و درست کرتی ہے

کارمینا ہمیشہ گھر میں رکھیے

ہمدرد

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

آوازِ اخلاق

دیانت داری خود اعتمادی پیدا کرتی ہے

نہار منھ پانی پینا

س : کیا نہار منھ پانی پینا مناسب ہے؟ اگر مناسب ہے تو کتنا پینا چاہیے؟ سُنا ہے کہ نہار منھ زیادہ پانی پینے سے انسان کم زور ہو جاتا ہے؟ محمد اسلم عبداللہ، گجرات

ج : صبح نہار منھ پانی پینے میں ذرا بھی کوئی نقصان نہیں۔ آپ ضرور صبح دانت منھ صاف کر کے پانی پی سکتے ہیں۔ دیکھیے رات بھر منھ بند رہتا ہے۔ اس میں دانتوں سے میل، معدے سے گیس مُرتکز ہو کر منھ خراب کر دیتا ہے۔ منھ کی یہ رات بھر کی میل اگر نہار منھ پانی پینے کے ساتھ پیٹ کے اندر جائے گی تو اس سے نقصان ہو سکتا ہے۔

خوش بُو، بد بُو

س : میری باجی کی عمر سولہ سال ہے۔ انھیں شروع سے خوش بُو محسوس ہوتی ہے نہ بد بو، جس کی وجہ سے وہ بہت پریشان رہتی ہیں اور احساس کم تری کا شکار ہیں۔ کوئی علاج بتائیے کہ ان کی قوّتِ شامّہ کھل جائے۔ شیخ زبیدہ صدیق زیبی، میاں چنّوں

ج : ایسا لگتا ہے کہ باجی کو اکثر نزلہ زکام رہا ہے اور اس کا صحیح علاج نہیں ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے اُن کی ناک کی اندرونی جلد متاثر ہوئی ہے اور اس میں پھیلے ہوئے اعصاب دباؤ میں آگئے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ ناک کو نیم کے پانی سے روزانہ دھونا چاہیے۔ ترکیب یہ ہے کہ نیم کے تازہ پتّے پانی میں جوش دے لیں، چھان لیں، ذرا سا نمک ملا لیں اور اس پانی سے ناک کو روزانہ رات کو دھوئیں، یعنی یہ پانی ناک کے اندر سُڑکیں اور نکالیں۔

(جیسے وضو میں کرتے ہیں) اس سے توقع ہے کہ ناک کی جلد طبعی حالت پر لوٹ آئے گی اور سونگھنے کی حِس بحال ہو کر خوش بُو، بد بُو کا احساس ہونے لگے گا۔ دوا کے طور پر گُلِ بنفشہ ۶ گرام پانی میں جوش دے کر چھان کر ہفتے دو ہفتے پی لیں۔ ہاں، اگر بنفشے کے پتّے مِل جائیں تو نیم کے بجائے اُن کو جوش دے کر ناک اُس سے دھو سکتے ہیں۔

ناک بند ہو جاتی ہے

س : نزلہ زکام کے دوران ناک بند کیوں ہو جاتی ہے۔ کبھی کبھی دونوں نتھنے بند ہو جاتے ہیں اور ایسا زیادہ تر رات کو ہوتا ہے۔ جس کروٹ لیٹے اُسی طرف کی ناک بند ہوتی ہے۔ آخر ایسا کیوں؟ زکام کا آسان علاج بھی بتائیے۔

صبوحی ناز، کراچی

ج : جب کسی وجہ سے ناک کی اندرونی جھلّی میں ورم آجاتا ہے تو ناک کے اندر کا راستہ تنگ ہو جاتا ہے اور ناک بند ہو جاتی ہے۔ یہ ورم اکثر و بیش تر اس لیے ہوتا ہے کہ اکثر بچّے اور بڑے بھی اپنی ناک کی اندرونی صفائی نہیں کرتے۔ اگر پانچوں وقت وضو کریں تو صفائی کا مسئلہ خود بہ خود حل ہو جاتا ہے۔ اللہ کرے کہ ہم پابندِ نماز ہو جائیں۔

خیر، آپ نیم کے پانی سے روزانہ ناک صاف کریں۔ ترکیب اوپر کے جواب میں لکھی ہے۔

سینے میں درد

س : میرے سینے میں کبھی کبھی اچانک درد اُٹھتا ہے۔ یہ شکایت تقریباً دو تین سال سے ہے۔ جب سانس کچھ دیر کے لیے روک لیتا ہوں تو درد دُور ہو جاتا ہے۔ براہِ کرم علاج بتائیں۔

حافظ احمد ولی اللہ ادہاب، سکھر

ج : بہ ظاہر یہ دل کی کوئی تکلیف نہیں ہے۔ اس کو آپ سینے کا بائنٹا کہہ سکتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ بائنٹے کبھی پیروں، ہاتھوں میں بھی آجاتے ہیں۔ یہ کیفیت عموماً جسم میں حیاتین ب کی کمی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ہمارا اپنا جگر قدرتی حیاتین ب بناتا ہے۔ مگر کبھی جگر کی خرابی سے یہ حیاتین سازی رُک جاتی ہے یا کم ہو جاتی ہے۔ اس صورت کو مناسب احتیاط سے درست کیا جا سکتا ہے، مثلاً زیادہ چکنی چُپڑی روٹی یا غذا نہ کھائیں تا کہ جگر پر بوجھ نہ پڑے۔ لیموں کا تازہ رس پانی میں ملا کر پینے سے جگر کو اچھی طرح کام کرنے میں مدد ملتی ہے۔

ٹی بی کی بیماری

س : ٹی بی کی بیماری کس وجہ سے ہوتی ہے؟ اُمید علی عاقب، شاہی تمپ

ج : ٹی بی ٹیوبر کُلوسس کا مُخفّف ہے، یعنی دق و سل، دق بالعموم پھیپھڑوں کی ہوتی ہے، مگر دِق ہڈیوں کی بھی ہو سکتی ہے، آنتوں کی بھی ہو سکتی ہے، وغیرہ۔ دق و سل کا سبب ایک جرثومہ (عصاتے درنی) ہوتا ہے کہ جو پھیپھڑوں کی ساخت کو کھوکھلا کرتا رہتا ہے۔ یہ جرثومے فضا میں موجود ہوتے ہیں، مگر اس کا حملہ صرف اُن ہی لوگوں پر ہوتا ہے، جن کی قوتِ مُدافعت (مناعَت) کم زور ہو جاتی ہے اور جن کی صحت خراب ہوتی ہے۔ صحت کی یہ خرابی اور مدافعت کی یہ کم زوری اُن لوگوں میں ہوتی ہے کہ جو فاقہ کش ہوتے ہیں اور جن کو پوری غذا نصیب نہیں ہوتی۔ پھیپھڑے اُن لوگوں کے کم زور ہو جاتے ہیں جن کو تازہ ہوا (اوکسی جن) پوری طرح نہیں ملتی یا وہ ایسے ماحول میں رہتے ہیں کہ جہاں نہ سورج کی روشنی پہنچتی ہے اور نہ تازہ ہوا کا گزر ہوتا ہے۔

افسوس یہ ہے کہ ہمارے ملک میں ایسے حالات ہیں کہ جو ٹی بی کے لیے سازگار ہوتے ہیں۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم ان شدید حالات کا مقابلہ کریں اور اپنے ملک کے ایسے حالات کو درست کر دیں کہ جن سے یہ شدید مرض پھلتا پھولتا ہے۔ غربت کو دُور کرنا اور جہالت کے خلاف جہاد ہماری ملّی ذمے داری ہے۔ نوجوانوں کو اس کے لیے کمر بستہ ہو کر میدانِ عمل میں آنے کے لیے تیاری کرنی چاہیے۔

پیٹ میں درد

س : میری عمر تقریباً بارہ سال ہے۔ میرے پیٹ میں بچپن سے درد رہتا ہے۔ براہ مہربانی کوئی علاج بتائیں۔ سیما حبیب میمن، سکھر

ج : یہ تو بڑا مشکل ہے کہ میں آپ کے ایک جملے سے آپ کے دس بارہ سال کے پرانے پیٹ کے درد کو سمجھ جاؤں۔ سیما بیٹی، آپ اپنا علاج کسی مقامی ماہر معالج سے کرائیے۔ ہاں اگر غذا میں آپ اناپ شناپ کھا رہی ہیں تو پرہیز کرنا چاہیے۔ پیٹ کے اکثر امراض غلط غذاؤں اور ضرورت سے زیادہ غذا کھانے سے ہوتے ہیں۔ میرا کہنا مانیں تو غذا ذرا کم کر دیں گھی کی روٹی نہ کھائیں۔ اسکول میں چھولے بھی نہ کھائیں۔ ہاں، تازہ پودینہ پانی میں جوش دے

کر چھان کر پینے سے پیٹ کے درد کو فائدہ ہو سکتا ہے۔

پاؤں میں پسینا

میرے پاؤں میں بہت پسینا آتا ہے۔ سارا دن پاؤں کو پانی سے دھوتا رہتا ہوں، مگر پسینا کم نہیں ہوتا۔ مہربانی کر کے کوئی علاج بتائیے۔ یدھشٹر کمار چھاچھرو، تھرپارکر

پاؤں دھونے سے پسینا رُک جانے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ کمار جی، آپ ایسا کریں کہ آپ کے گھر میں جو چائے بنتی ہے اور بعد میں جو پھوک بچتا ہے، اُسے رات سوتے وقت پیروں کے تلووں پر لگائیے اور کپڑا باندھ کر سو جائیے۔ شاید چند دن میں پسینا رُک جائے۔ اگر اس سے فائدہ نہ ہو تو چند دن تازہ بیگن کا پانی لگا کر سو جائیے۔

آنکھیں کم زور ہیں

میری عمر ۱۵ سال ہے۔ ڈاکٹر سے آنکھیں ٹیسٹ کروائیں تو انھوں نے چار نمبر کا چشمہ دیا۔ کیا کوئی ایسی ترکیب نہیں ہو سکتی کہ چشمہ اُتر جائے۔ دوائیں کون سی استعمال کروں؟ شاہین بی بی، کراچی

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ماہر چشم نے جس نمبر کی عینک دی ہے اُسے ضرور استعمال کرنا چاہیے، ورنہ آنکھیں مزید کم زور ہو جانے کا خطرہ رہتا ہے۔ ممکن ہے کہ اب چشمے کا نمبر بدل نہ سکے اور یہی رہے، پھر بھی کوشش ضرور کرنی چاہیے۔ ایک تو یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اب آئندہ قدرتی روشنی میں پڑھا کریں، ورنہ کم از کم اس کا خیال رکھیں کہ مطالعے کے وقت روشنی کم نہ ہو۔ نظر کی کم زوری کا تعلق غذا سے بھی ہے۔ اگر غذا میں حیاتین الف (وٹامن اے) کم ہو تو بینائی کم زور ہو سکتی ہے۔ اس کا علاج وٹامن اے ہے اور ایسی غذائیں، جن میں یہ حیاتین ہوتا ہے۔

صبح روزانہ تازہ صاف ٹھنڈے پانی سے آنکھوں میں چھپکے مارنا بھی آنکھوں کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے۔

پاکستان اور نیوزی لینڈ

کے درمیان کھیلی جانے والی

کرکٹ سیریز کی کہانی

ساجد علی ساجد

پاکستان اور نیوزی لینڈ نے جب سے ایک دوسرے کے خلاف کرکٹ کھیلنی شروع کی ہے، پاکستان کو زیادہ تر میچوں میں کام یابی ہوتی رہی ہے، جس کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ دونوں نے اب تک لگ بھگ ۲۴ ٹیسٹ میچ کھیلے، جن میں سے دس پاکستان نے اور صرف ایک نیوزی لینڈ نے جیتا۔ باقی ٹیسٹ میچ ہار جیت کے فیصلے کے بغیر ختم ہوئے۔

پچھلے دنوں نیوزی لینڈ کی کرکٹ ٹیم ۵ نومبر ۸۴ء کو پاکستان کا دورہ کرنے آئی۔ اس نے یہاں تین ٹیسٹ، چار ایک روزہ بین الاقوامی میچ اور دو سہ روزہ میچ کھیلے تھے، لیکن جب وہ ۱۷ دسمبر کو دورہ مکمل کرکے واپس ہوئی تو دو ٹیسٹ اور تین ایک روزہ میچ ہار چکی تھی۔ اس طرح یہ سیریز پاکستان نے شان دار انداز میں جیت لی۔ اقبال قاسم چوں کہ تینوں ٹیسٹ میچوں میں اچھا کھیلے، اس لیے مین آف دی سیریز قرار پائے۔ آخری ٹیسٹ میچ میں، جو کراچی میں کھیلا گیا پاکستان کے سلیم ملک مین آف دی میچ قرار دیے گئے۔

اب پاکستانی کرکٹ ٹیم نیوزی لینڈ کے جوابی دورے پر گئی ہے تو ہمارا جی چاہتا ہے کہ نونہال پڑھنے والوں کو نیوزی لینڈ کے بارے میں کچھ بتائیں، جسے دنیا کے لوگ "کیوی" (KIWI) بھی کہتے ہیں۔ کیوی ایک خوب صورت پرندہ ہے، جس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ شاذونادر ہی اُڑتا ہے اور اپنی بساط اور سائز کے مقابلے میں بڑا انڈا دیتا ہے۔ نیوزی لینڈ، کیوی کی طرح ایک چھوٹا، لیکن بہت دولت مند اور خوش حال ملک ہے۔ دولت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ ۳۵ لاکھ کی کُل آبادی میں بارہ لاکھ کے لگ بھگ موٹر کاریں ہیں۔ نیوزی

لینڈ اپنے ہر شہری کو مکان، کار اور روزگار مہیا کرتا ہے۔ نیوزی لینڈ، اوسٹریلیا کے جنوب مشرق میں جنوبی بحرالکاہل میں واقع ہے۔ یہ دو چھوٹے اور دو بڑے جزیروں پر مشتمل ہے۔ بڑے جزیروں میں سے ایک جزیرۂ شمالی اور دوسرا جزیرۂ جنوبی کہلاتا ہے۔ آدھی سے زیادہ آبادی جزیرۂ شمالی میں رہتی ہے۔

اوسٹریلیا کی طرح نیوزی لینڈ کو بھی انگریزوں نے آکر بسایا تھا، جن کی آمد ۱۸۴۰ء میں شروع ہوئی، مگر دنیا میں جس شخص نے سب سے پہلے نیوزی لینڈ کو دیکھا، وہ ڈچ سیّاح ایبل تسمان (ABEL TASMAN) تھا۔ یہ ۱۶۴۲ء کا ذکر ہے۔ تسمان کو ماؤری قبیلے نے نیوزی لینڈ میں گھسنے نہیں دیا۔ پھر برطانوی سیّاح کیپٹن جیمس کُک ۱۷۶۹ء میں اس جزیرے میں وارد ہوئے۔ اب تو یہاں انگریزوں کا تانتا بندھ گیا۔ ماؤری قبائلیوں نے شروع میں انگریزوں سے جنگ لڑی، مگر پھر ہتھیار ڈال دیے اور ۱۹۰۷ء میں نیوزی لینڈ ایک آزاد اور خود مختار

جناب این۔ اے۔ شاہ نیوزی لینڈ کے کھلاڑی اسٹیفن بوک کو مین آف دی سیریز ایوارڈ دے رہے ہیں۔

ملک کی حیثیت سے دنیا کے نقشے پر اُبھر آیا۔

آج دنیا بھر میں نیوزی لینڈ اپنے مزے دار مکھن، ریس کے گھوڑوں اور اپنی سر سبزی اور شادابی کی وجہ سے مشہور ہے۔ آبادی کم اور وسائل اچھے خاصے ہیں، اس لیے یہاں کے باشندے بڑے ٹھاٹ کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

نیوزی لینڈ کرکٹ کے معاملے میں اتنا خوش نصیب نہیں ہے اور دنیا کی تقریباً سب ٹیموں سے ہارتا رہا ہے۔ مگر حالیہ برسوں میں نیوزی لینڈ نے اچھی خاصی کرکٹ ٹیم قائم کر لی ہے، اس لیے جب کپتان جرمی کونی اپنی ٹیم لے کر نومبر ۸۴ء میں وارد ہوئے تو وہ سوچ رہے تھے کہ پاکستان کو آسانی سے جیتنے نہیں دیں گے، مگر آتے ہی ان کی ناکامیاں شروع ہو گئیں جب وہ ۱۲۔ نومبر کو پشاور میں پہلا ایک روزہ انٹر نیشنل میچ ۴۶ رنز سے ہار گئے۔

پہلا کرکٹ ٹیسٹ

پاکستان اور نیوزی لینڈ کا پہلا کرکٹ ٹیسٹ ۱۵ تا ۲۰ نومبر ۸۴ء کو لاہور میں کھیلا گیا۔ اس ٹیسٹ کے لیے اقبال قاسم کو جو خاصے عرصے سے غائب تھے، قومی کرکٹ ٹیم میں واپس بُلایا گیا۔ اس ٹیسٹ میں نیوزی لینڈ نے پہلی اننگز میں ۱۵۷ رنز بنائے۔ صرف مارٹن کرو ہی جم کر کھیل سکے، جنھوں نے ۵۵ رنز بنائے۔ پاکستان کی طرف سے اقبال قاسم نے ۴۱ رنز دے کر چار وکٹ لیے۔ تین وکٹ مدثر نے حاصل کیے۔ جواب میں پاکستانی ٹیم ۲۲۱ رنز پر آؤٹ ہو گئی۔ محسن نے ۵۸ رنز بنائے۔ ای۔ چیٹ فیلڈ نے ۵۷ رنز دے کر تین وکٹیں لیں۔ دوسری اننگز میں نیوزی لینڈ نے ۲۴۱ رنز بنائے۔ جے جی رائٹ نے ۶۵ رنز بنائے۔ قاسم نے ۶۵ رنز دے کر چار اور قادر نے ۸۲ رنز دے کر تین وکٹ لیے۔

اب پاکستان کو جیتنے کے لیے ۱۷۸ رنز بنانے تھے، جو اس نے صرف دو وکٹوں کے نقصان سے بنا لیے۔ جاوید میاں داد نے ۴۸ رنز (ناٹ آؤٹ) محسن نے ۳۸، ظہیر عباس نے ۳۱ اور سلیم ملک نے ۴۲ رنز (ناٹ آؤٹ) بنائے۔ آخری دن یہ میچ پاکستان نے صرف ۲۰ منٹ میں پچیس رنز بنا کر جیت لیا۔ یہ اقبال قاسم کی ذاتی کامیابی بھی تھی، جو ۱۳ ٹیسٹ میچوں کی غیر حاضری کے بعد آئے تھے۔ انھوں نے ۱۰۶ رنز دے کر آٹھ وکٹ لیے۔ میچ کے بعد نیوزی

لینڈ کے کپتان جرمی کونی نے کہا کہ وہ مشق نہ ہونے کی وجہ سے یہ میچ ہارے۔

دوسرا ایک روزہ میچ ۲۳۔ نومبر ۸۴ء کو فیصل آباد میں کھیلا گیا، جو پاکستان نے سنسنی خیز انداز میں جیتا۔ بارش کی وجہ سے صرف بیس اوورز کھیلے گئے، جن میں پاکستان نے پانچ وکٹوں کے نقصان سے ۱۵۷ رنز بنائے۔ ظہیر عباس، سلیم ملک اور منظور الٰہی نے اچھی بیٹنگ کی۔ جواب میں نیوزی لینڈ کی ٹیم اتنے ہی اوورز میں سات وکٹوں پر ۱۵۲ رنز بنا سکی اور ہار گئی۔ مارٹن کرو نے ۶۱ رنز بنائے، مگر وہ ٹیم کو شکست سے نہ بچا سکے۔

دوسرا ٹیسٹ

پاکستان اور نیوزی لینڈ کے درمیان دوسرا ٹیسٹ ۲۶ سے ۳۰ نومبر ۸۴ء تک حیدر آباد سندھ میں کھیلا گیا۔ نیوزی لینڈ نے پہلی اننگز میں ۲۶۷ رنز بنائے جس کی خصوصیت جون ریڈ کی شان دار سنچری تھی۔ جواب میں پاکستان نے ۲۳۰ رنز بنائے۔ جاوید میاں داد نے شان دار بیٹنگ کرتے ہوئے ۱۰۴ رنز بنائے۔

اسٹیفن بوک نے ۸۷ رنز دے کر سات وکٹ لیے۔ دوسری اننگز میں نیوزی لینڈ کی ٹیم جم کر نہیں کھیل سکی اور صرف ۱۸۹ رنز بنا کر آؤٹ ہو گئی۔ اب پاکستان کو میچ جیتنے کے لیے ۲۲۷ رنز بنانے تھے۔ یہ رنز پاکستانی ٹیم نے جاوید میاں داد اور مدثر نذر کی شان دار سنچریوں کی بہ دولت صرف تین وکٹوں کے نقصان سے بنا لیے۔ مدثر نے ۱۰۶ اور میاں داد نے ۱۰۳ رنز بنائے۔ اس طرح پاکستان نے یہ ٹیسٹ سات وکٹوں سے جیت لیا اور حنیف محمد کے بعد میاں داد دوسرے کھلاڑی بن گئے، جنھوں نے پاکستان کی کرکٹ کی تاریخ میں دونوں اننگز میں سنچریاں بنانے کا اعزاز حاصل کیا۔

نیوزی لینڈ کی اولین کام یابی

نیوزی لینڈ نے دورے کی پہلی اور واحد کام یابی سیال کوٹ میں ۲۔ دسمبر ۸۴ء کو کھیلے جانے والے تیسرے ایک روزہ میچ میں حاصل کی۔ نیوزی لینڈ نے ۳۶ اوورز میں نو وکٹوں کے نقصان سے ۱۸۷ رنز بنائے۔ مارٹن کرو نے ۶۷ رنز بنائے۔ توصیف احمد

نے عمدہ بولنگ کرتے ہوئے ۳۸ رنز دے کر چار اور محسن کمال نے ۴۶ رنز دے کر تین وکٹ حاصل کیے۔ جواب میں پاکستان مقررہ اوورز میں صرف ۱۵۳ رنز بنا سکا۔ ظہیر عباس نے ۴۲ رنز بنائے، مگر وہ بھی اپنی ٹیم کو شکست سے نہ بچا سکے۔

چوتھا اور آخری ایک روزہ میچ ۷ دسمبر ۸۴ء کو ملتان میں کھیلا گیا، جو پاکستان نے سنسنی خیز انداز میں آخری اوور کی آخری گیند پر جیتا۔ نیوزی لینڈ نے ۳۵ اوورز میں آٹھ وکٹوں کے نقصان سے ۲۱۳ رنز بنائیے۔ اسمتھ نے ۴۱، جرمی کونی نے ۳۴ اور ایم ڈی کرو نے ۲۸ رنز بنائے۔ سعادت نے ۴۲ رنز دے کر دو اور توصیف نے ۳۰ رنز دے کر ایک وکٹ لیا۔

پاکستان نے ۳۵ اوورز میں نو وکٹوں کے نقصان سے ۲۱۴ رنز بنائے اور اسکور پورا کر دیا۔ ظہیر عباس نے ۷۳، شعیب محمد نے ۳۵ اور جاوید میاں داد نے ۳۲ رنز بنائے۔ سلیم ملک اور توصیف نے پاکستان کو کام یابی کی منزل تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا اور بالترتیب ۲۸ اور ۱۵ رنز بنائے۔ اسنیڈن نے ۳۸ رنز دے کر تین وکٹ لیے۔

آخری ٹیسٹ

پاکستان اور نیوزی لینڈ نے آخری ٹیسٹ ۱۱ سے ۱۶ دسمبر ۸۴ء تک کراچی میں کھیلا۔ یہ ہار جیت کے فیصلے کے بغیر ختم ہو گیا۔ سلیم ملک اور وسیم راجا نے آخری روز شان دار بیٹنگ کر کے نیوزی لینڈ کو جیتنے نہیں دیا۔ سلیم ملک نے ۱۱۹ اور وسیم راجا نے ۵۸ رنز بنائے اور دونوں آؤٹ نہیں ہوئے۔ دونوں کی شرکت میں جو آخر تک قائم رہی ۱۷۸ رنز بنے۔

اس سے پہلے پاکستان نے پہلی اننگز میں ۳۲۸ اور نیوزی لینڈ نے ۴۲۶ رنز بنائے۔ اس طرح یہ ٹیسٹ بغیر کسی تنازعے کے ہار جیت کے فیصلے کے بغیر ختم ہو گیا اور نیوزی لینڈ کی ٹیم ناکام دورہ مکمل کر کے واپس چلی گئی۔ اب پاکستانی کرکٹ ٹیم نیوزی لینڈ کے دورے پر گئی ہے اور دیکھنا یہ ہے کہ نیوزی لینڈ کی کرکٹ ٹیم اپنی شکست کا جواب دینے میں کام یاب ہوتی ہے یا نہیں۔

اخبارِ نونہال

پلاسٹک کے نوٹ

اوسٹریلیا میں پلاسٹک کے کرنسی نوٹ بنانے کا تجربہ کیا جا رہا ہے۔ یہ نوٹ بہت مضبوط ہوں گے اور ان کو دھویا بھی جا سکے گا۔ اوسٹریلیا کی حکومت کا ارادہ ہے کہ ان کو بناتے وقت ان میں جراثیم کش دوا بھی شامل کر دی جائے۔

برقی عورت

مانچسٹر کی ٹیلر نام کی ایک الم سالہ عورت کے جسم میں بجلی کی طاقت وَر رو (کرنٹ) پایا گیا ہے۔ یہ عورت پورے علاقے اور ڈاکٹروں کے لیے عجیب و غریب مسئلہ بن گئی ہے۔ وہ جب نہانے کے لیے کسی تالاب میں اترتی ہے تو تالاب میں موجود تمام مچھلیاں کرنٹ سے مَر جاتی ہیں۔ اگر اس عورت کو کسی کا ہاتھ لگ جاتا ہے تو اسے زبردست کرنٹ محسوس ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے ٹیلر خود بھی پریشان ہے۔

مرسلہ: کامران نذر، سرگودھا

سب سے لمبی بھوک ہڑتال

ایک ۲۹ سالہ عورت نے جو اپنے موٹاپے سے پریشان تھی تاریخ کی طویل ترین بھوک ہڑتال کی۔ اس عورت کا قد پانچ فیٹ چھے انچ اور وزن تین سو پندرہ پاؤنڈ تھا۔ اس نے ایک سو سترہ

دن تک پانی اور وٹامن کی گولیوں پر گزارا کیا۔ اس عرصے میں اس کا وزن تین سو پندرہ پاؤنڈ سے گھٹ کر صرف ایک سو ننانوے پاؤنڈ رہ گیا۔
مرسلہ: صائم علی خاں، کراچی

بچھڑے کے پیٹ میں گھڑی

ایک دفعہ نیواڈا کے ایک شخص نے جنگلے پر اپنی واسکٹ (ویسٹ کوٹ = صدری) لٹکا دی۔ قریب ہی بندھا ہوا ایک بچھڑا واسکٹ کی جیب کو نگل گیا، جس میں ایک سونے کی گھڑی بھی تھی۔ ۷ سال کے بعد جب اس بچھڑے کو ذبح کیا گیا تو یہ گھڑی اس کے پھیپھڑوں سے برآمد ہوئی۔ وہاں یہ گھڑی ایسی پوزیشن میں معلّق رہی کہ سانس کی آمدورفت سے اُس میں خود بخود چابی بھرتی رہی۔ سات برسوں میں یہ گھڑی صرف چار منٹ پیچھے ہوئی تھی۔

مرسلہ: شبانہ انجم، کراچی

مصنوعی زلزلہ لانے والا آلہ

سائنس دانوں نے حال ہی میں ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے جو مصنوعی زلزلہ لاتا ہے۔ اس آلے کا نام سیمسن ہے جو جدید ٹیکنالوجی کا کمال ہے۔ اسے پہلی بار مغربی جرمنی کے شہر جُولک میں نصب کیا گیا تھا۔ جب اسے چلایا جاتا ہے تو عمارتیں لرز جاتی ہیں، جھٹکے محسوس ہوتے ہیں اور زمین بالکل زلزلے کی طرح دہل جاتی ہے۔ سیمسن کو یورپ کا سب سے بڑا مصنوعی زلزلہ لانے والا آلہ قرار دیا گیا ہے۔

دنیا کا سب سے بڑا بیج

دنیا کا سب سے بڑا بیج بحرِ ہند کے جزیرے ماریشس میں پیدا ہونے والے ایک پھل کا ہوتا ہے۔ اس پھل کا نام کوکوڈی مر ہے۔ آپ اسے جڑواں ناریل بھی کہہ سکتے ہیں، کیوں کہ اس کا ذائقہ وغیرہ سب ناریل کی طرح ہوتا ہے۔ جڑواں ناریل جزیرہ ماریشس کے سوا دنیا میں کہیں اور پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے بیج کا وزن ۴۰ پونڈ ہوتا ہے۔

مرسلہ: علی اختر وصی الدین، حیدرآباد

یہ صحیح ہے کہ الماری میں عمدہ عمدہ کپڑے بھرے پڑے ہیں، لیکن نئی ساڑی اس لیے لانے کے لیے کہہ رہی ہوں کہ یہ کپڑے محلّے کی ساری عورتوں نے دیکھ لیے ہیں۔
بیگم! اگر صرف یہی مجبوری ہے تو پھر ہم کیوں نہ یہ محلّہ ہی بدل دیں۔

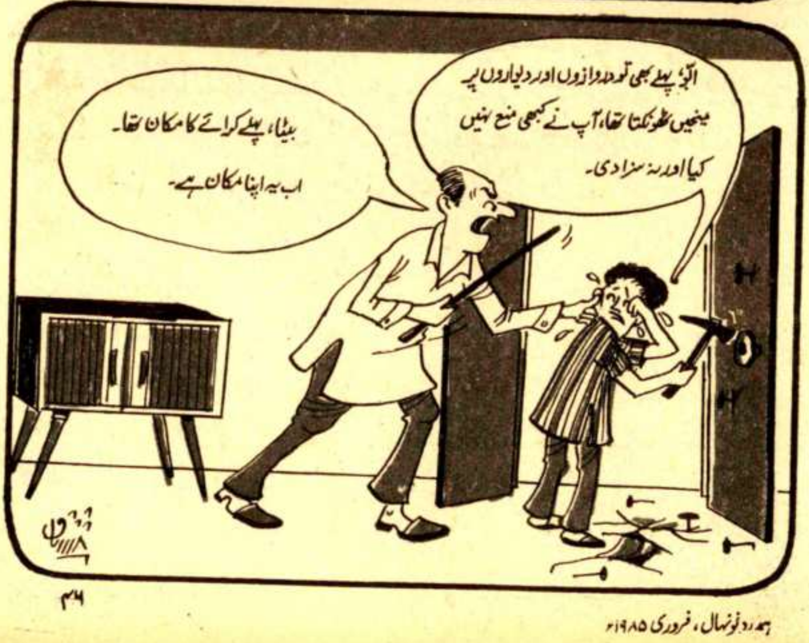
ابّو! پہلے بھی تو دروازوں اور دیواروں پر میخیں ٹھونکتا تھا، آپ نے کبھی منع نہیں کیا اور نہ سزا دی۔
بیٹا، پہلے کرائے کا مکان تھا۔ اب یہ اپنا مکان ہے۔

مستقل پڑھنے والوں کے لیے ایک تحفہ

ھمدرد نونہال کے ہزاروں پڑھنے والے ایسے ہیں جو برسوں سے پابندی کے ساتھ رسالہ خرید کر پڑھتے ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہم اُن کے لیے ہر ماہ عُمدہ عُمدہ کہانیوں، معلومات اور تفریحات کا گلدستہ پیش کرتے ہیں، لیکن اب فیصلہ کیا گیا ہے کہ ہمارے ایسے مُستقل دوستوں کو کوئی تحفہ بھی پیش کیا جائے۔

اس مہینے سے رسالے میں ایک کوپن لگایا جارہا ہے۔ یہ تعلیمی تحفے کا کوپن ہے اور ہر مہینے لگایا جائے گا۔ اس کوپن کی صفائی سے خانہ پُری کیجیے اور کاٹ کر اپنے پاس محفوظ رکھ لیجیے۔ جب بارہ کوپن ہو جائیں تو آپ احتیاط سے ہمیں بھیج دیجیے۔ ہم آپ کو مندرجہ ذیل مُفید و دل چسپ کتابوں میں سے جو کتاب آپ کو پسند ہوگی وہ بھیج دیں گے:۔

(۱) جاگو جگاؤ، از حکیم محمد سعید (۲) غذائیں دوائیں (۳) چند مشہور طبیب اور سائنس داں (۴) سُنہرے اصول، از حکیم محمد سعید (۵) صحّت کی الف بے، از مسعود احمد برکاتی (۶) ننھا سیّاح، از محمد زکریا مائل۔

ان میں سے جو کتاب بھی آپ کو پسند ہو اُس کا نام کوپنوں میں لکھ دیجیے۔ بارہ کوپنوں میں سے ہر کوپن کی خانہ پُری کیجیے تاکہ کوئی دُوسرا اُن سے فائدہ نہ اُٹھا سکے۔

اس کے علاوہ یہ فیصلہ بھی کیا گیا ہے کہ بارہ کوپن جمع کرکے بھیجنے والے اگر ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کی شائع کردہ کتابیں خریدنا چاہیں تو اُن سے ۲۵ فی صد قیمت کم لی جائے۔

کوپن علمی تحفہ

میں ہمدرد نونہال مُستقل پڑھنے اور خریدنے والا/والی ہوں اور بارہ کوپن جمع کرکے بھیج رہا/رہی ہوں۔ مہربانی کرکے مجھے مندرجہ ذیل کتاب علمی تحفے کے طور پر بھیج دیجیے۔

نام کتاب: ________

____

نام: ________ عُمر: ____ تعلیم: ________

پتا: ________

____

____

خُوباں صحت کے لئے ایک خُوب غذا

تازہ پھلوں اور خشک میوہ جات کا نفیس و لطیف اور خوش ذائقہ سنہرا شربت
خُوباں جس میں شامل ہاضم، مقوّی جسم و جاں اور حیات بخش اجزائے غذائی نے اسے
ایک منفرد ٹانک بنا دیا ہے۔ خُوباں' دواؤں سے بڑھ کر انسانی جسم کی حقیقی
اور فطری غذائی ضرورتوں پر ہمدرد کے طویل تجربہ کا ماحصل ہے۔

خُوباں بچوں کو چاق و چوبند اور بڑوں کو چست و توانا رکھتا ہے۔
خُوباں استعمال کرنے والے بچے تعلیم اور کھیل کود میں بڑے جی جان سے حصّہ لیتے ہیں۔
صحت مند لوگوں کے لئے خُوباں کا استعمال یوں بھی مناسب ہے کہ اس سے
جسم و جاں کو خوب اجزائے غذائی میسّر آتے رہتے ہیں اور شب و روز کی ذہنی محنت
یا جسمانی مشقت سے کوئی تھکن یا سُستی پیدا نہیں ہوتی۔ لاغر اور
بیماری سے اٹھے ہوئے لوگوں کے لئے خُوباں ایک مفید اور مؤثر غذائی ٹانک ہے۔

کھلاڑیوں کے لئے خُوباں ایک ضرورت ہے۔ کھیل شروع کرنے سے پہلے اس کے دو چمچے پینے سے
جسم میں مناسب طاقت و چستی پیدا ہوتی ہے اور کھیل کے بعد خُوباں توانائی بحال کرتا ہے۔

خُوباں گھر کے ہر فرد کے لئے ہر موسم میں تن درستی اور توانائی بہم پہنچاتا ہے۔
خُوباں کے دو چمچے غذا کے بعد آپ کی توانائی برقرار رکھتے ہیں۔

ہمدرد خُوباں خوش ذائقہ سنہرا شربت

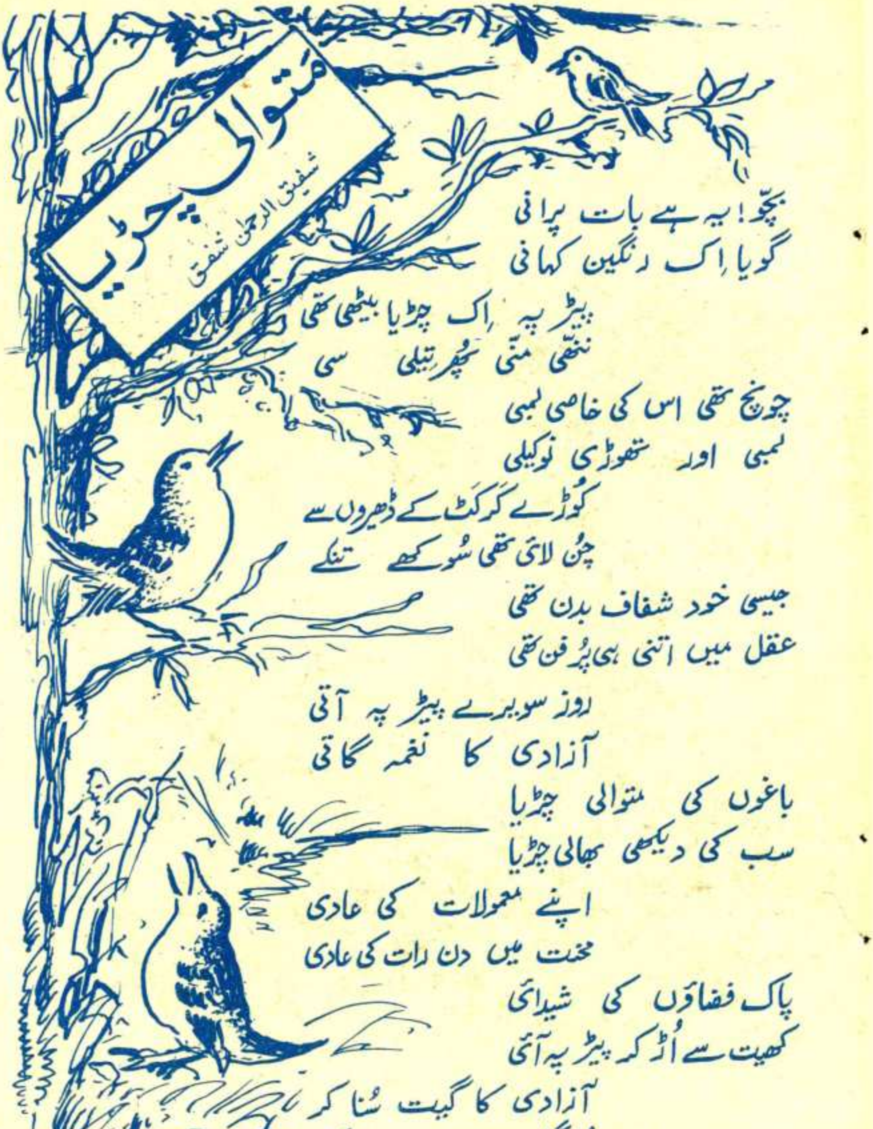

متوالی چڑیا

شفیق الرحمٰن شفیق

بچو! یہ ہے بات پرانی
گویا اک رنگین کہانی

پیڑ پہ اک چڑیا بیٹھی تھی
ننھی منّی پُھرتیلی سی

چونچ تھی اس کی خاصی لمبی
لمبی اور تھوڑی نوکیلی

کوڑے کرکٹ کے ڈھیروں سے
چُن لائی تھی سُوکھے تنکے

جیسی خود شفاف بدن تھی
عقل میں اتنی ہی پُرفن تھی

روز سویرے پیڑ پہ آتی
آزادی کا نغمہ گاتی

باغوں کی متوالی چڑیا
سب کی دیکھی بھالی چڑیا

اپنے معمولات کی عادی
محنت میں دن رات کی عادی

پاک فضاؤں کی شیدائی
کھیت سے اُڑ کر پیڑ پہ آئی

آزادی کا گیت سُنا کر
اُڑ گئی چڑیا پَر پھیلا کر

صحت مند نونہال

دس سال سے کم عمر صحت مند نونہالوں کی تصویریں

ملک محمد ارشد جمال، کراچی

محمد علی شیخ، لاڑکانہ

محمد خالد احمد، کھلابٹ

عبدالرزاق اسمٰعیل کھتری، کراچی

سید اکرام علی ہاشمی، لطیف آباد

عبدالفہیم، کراچی

حبیب الرحمٰن سیال اختر، نواب شاہ

محمد نعیم طاہر، کراچی

مختار احمد انصاری، لاڑکانہ

حیدر علی اسد، کراچی

محمد نعیم یوسف، حیدرآباد

راجا عنبر، کراچی

عبدالسلام، شاہ پور چاکر

سید شفقت عظیم رضوی، کراچی

سہیل حمید، حیدر آباد

وسیم اختر، کراچی

سموئیل رحمت، کراچی

جہانگیر معروف، شاہ پور چاکر

شمس الدین، کراچی

آفتاب عالم انصاری، حیدر آباد

جاوید خاں، کراچی

جواد حکیم خاں

سہیل متین چاولہ، کراچی

فہیم ارشد، کراچی

محمد جاوید، کراچی

بُرہان احمد، کراچی

سہیل احمد، کراچی

صاحب زادہ، کراچی

منظر نعیم، لطیف آباد

ریحان افضل

نونہال مصوّر

محمد مشتاق احمد، میانوالی

مرزا شاہ جہا ، فیفی، کراچی

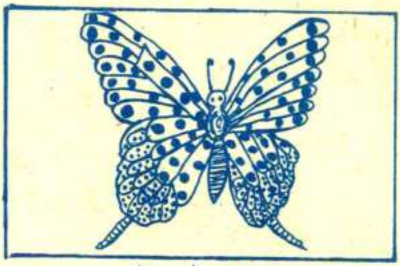

اشفاق احمد خان، ملتان

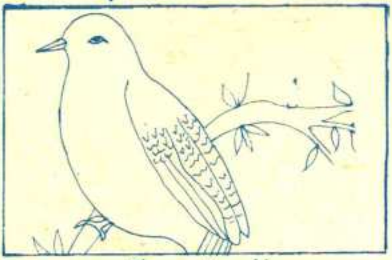

افشین فاطمہ، حیدر آباد

منیرہ بانو، کراچی

شہناز ناز گل، کراچی

پیارے بچو! جاگو جگاؤ۔ علم حاصل کرو اور علم کی شمع ہاتھ میں لے کر دوسروں تک علم کی روشنی پہنچاؤ۔ علم حاصل کرنا اور دوسروں تک علم کی روشنی پہنچانا بڑا مقدس فریضہ ہے۔ حکیم محمد سعید

س: میدانی علاقوں کی بہ نسبت پہاڑی علاقے زیادہ سرد کیوں ہوتے ہیں؟

محمد طارق جان، مردان

ج: ہوا ہماری زمین کے چاروں طرف ایک غلاف کی شکل میں لپٹی ہوئی ہے۔ اس سے صرف یہی فائدہ نہیں کہ ہم اُس میں سانس لیتے ہیں بلکہ یہ غلاف ہمیں موسم کی سختی سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔ ہوا ہر جگہ اپنا دباؤ ڈالتی ہے۔ میدانی علاقے میں ہوا کا دباؤ زیادہ ہوتا ہے اور پہاڑی علاقوں پر کم۔ اسی بات کو ہم یوں بھی کہتے ہیں کہ پہاڑی علاقوں کی ہوا میدانی علاقوں کے مقابلے میں پتلی یا لطیف ہوتی ہے۔ دن بھر کی گرمی میدانی علاقوں کے موٹے غلاف میں بند ہو جاتی ہے، لیکن پہاڑی علاقوں کی گرمی ہوا لطیف ہونے کی وجہ سے فضا میں غائب ہوتی رہتی ہے۔ اس لیے پہاڑی علاقے میدانی علاقوں کے مقابلے میں زیادہ سرد ہوتے ہیں۔

س: پہاڑوں کی اونچائی اور سمندروں کی گہرائی کس طریقے سے ناپی جاتی ہے؟

محسن رجب علی، نواب شاہ

ج: ہم زمین سے جیسے جیسے بلند ہوتے جاتے ہیں ہوائی دباؤ کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کتنی بلندی پر ہوائی دباؤ کتنا ہوگا لہٰذا کسی بھی پہاڑ پر ہوائی دباؤ معلوم کر کے اُس کی بلندی معلوم کی جاسکتی ہے۔ سمندروں کی گہرائی معلوم کرنے کے لیے آواز کی لہروں سے مدد لی جاتی ہے۔ آواز پیدا کر کے وہ وقفہ معلوم کر لیا جاتا ہے جو اس کی لہروں کو سمندر کی تہ تک جانے اور

واپس آنے میں لگا ہے۔ چوں کہ ہمیں پانی میں آواز کی رفتار معلوم ہے اس لیے اِس وقفے سے گہرائی معلوم کر لی جاتی ہے ؟

س : شمسی توانائی کس طرح حاصل کی جاتی ہے؟ محسن رجب علی، نواب شاہ

ج : شمسی توانائی یا دھوپ کو ایک جگہ جمع کرنے کے لیے چھوٹے بڑے چمک دار پیالے یا عکاس استعمال کیے جاتے ہیں۔ سورج کی شعاعیں ان پر پڑ کر پلٹتی ہیں اور اُن کے فوکس (FOCUS) پر جمع ہو جاتی ہیں۔ اس نقطے پر بہت زیادہ گرمی پیدا ہو جاتی ہے، جس سے کھانا پکانے، مشینیں اور پمپ چلانے، پانی گرم کرنے اور ایسے ہی بہت سے دوسرے کام لیے جا سکتے ہیں۔

س : میں نے بچپن میں پارس پتھر کے بارے میں سُنا تھا کہ اگر اُسے لوہے کی کسی چیز سے رگڑا جائے تو وہ سونا بن جاتی ہے۔ کیا واقعی اس کا کوئی وجود ہے یا محض قصّے پر مبنی ہے؟
سلیم انور عباسی کراچی

ج : یہ حکایتیں اور روایتیں سُنی تو ہم نے بھی ہیں، لیکن ان کا کوئی سائنسی وجود نہیں ہے۔ سونا اپنے ایٹموں کی مخصوص بناوٹ سے سونا ہے اور لوہا، لوہا ہے۔ ایک کو دوسرے میں محض کسی چیز پر رگڑ کر تبدیل نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس طرح سونا بنایا جا سکتا ہے۔

س : بعض افراد کے سر کے درمیان یا سامنے پیشانی پر بال نہیں ہوتے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟
مہربان اعظم، ڈیرہ اسماعیل خان

ج : گنجے پن کی کئی وجوہ ہیں۔ اول تو یہ کیفیت موروثی ہوتی ہے یعنی باپ سے بیٹے کو ملتی ہے۔ دوم ہماری موجودہ زندگی کے طور طریقے اس کے ذمے دار ہیں۔ گنجا پن یونہی یک دم پیدا نہیں ہو جاتا بلکہ ہماری بے احتیاطی سے بال آہستہ آہستہ گرتے ہیں۔ جدید قسم کے صابن اور شیمپو بالوں کی جڑوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اُن کے زیادہ استعمال سے بال گرنے لگتے ہیں۔ صابن کا کاسٹک سوڈا بالوں کی جڑوں کو کم زور کر دیتا ہے۔ بالوں پر توجہ نہ دینا، اُنھیں

صاف نہ رکھنا، اُن کی جڑوں میں قوت بخش چکنا تیل نہ لگانا اور اُن کی مالش نہ کرنا انھیں رفتہ رفتہ کم زور بنا دیتا ہے اور وہ گِر جاتے ہیں۔ تیل لگانے سے کچھ اور فائدہ ہو نہ ہو، کم سے کم یہ فائدہ ضرور ہوتا ہے کہ سَر کی مالش ہو جاتی ہے، جس سے دورانِ خون تیز ہو جاتا ہے اور بالوں کو غذا پہنچ جاتی ہے۔

س: جب طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب ہوتا ہے تو ہمیں چاند سفید کیوں نظر آتا ہے؟
معراج یاسمین، طرہ اسماعیل خان
ج: چاند خود نہیں چمکتا بلکہ سورج کی روشنی کو آئینے کی طرح واپس کر کے ہمیں چمکتا معلوم ہوتا ہے۔ اُس کی رنگت کا انحصار بہت کچھ سورج کے محل وقوع پر ہے۔ طلوع اور غروب کے وقت سورج اُفق پر ہوتا ہے اور اُس کی کرنیں ترچھی آتی ہیں۔ وہ چاند پر پڑ کر ہمیں سفیدی کا احساس دلاتی ہیں۔

س: کیا یہ درست ہے کہ اگر چاند سے زمین کو دیکھنا ہو تو بجائے نیچے کے اوپر کی طرف دیکھنا ہوگا؟ ایسا کیوں ہے؟ حافظ احمد ولی اللہ ارباب، حیدر آباد
ج: ہماری زمین گول ہے اور چاند بھی گول ہے۔ زمین سورج کے چاروں طرف گھومتی ہے اور چاند زمین کے چاروں طرف گردش کرتا ہے۔ ہم اپنے نیچے کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتے۔ زمین سے سَر اُٹھا کر چاند ستاروں کو دیکھتے ہیں، کیوں کہ اوپر کا میدان ہی ہمیں ملتا ہے۔ اسی طرح چاند پر پہنچ کر آپ زمین کو کہاں دیکھیں گے، بالکل اوپر یا کچھ اِدھر اُدھر۔ اس کا انحصار چاند اور زمین کے محل وقوع پر ہوگا۔ نیچے تو کچھ نظر نہیں آئے گا۔ سب چھپا ہوگا۔

س: ٹیلے وژن پر تصویر کس طرح آتی ہے؟ صداقت زماں، ہری پور
ج: جب پروگرام نشر کیے جاتے ہیں تو کسی بھی منظر سے آنے والی روشنی کو برقی ارتعاشات میں تبدیل کر دیا جاتا ہے، کیوں کہ روشنی اور برقی ارتعاشات کے درمیان قدرتی طور پر ایک تعلق پایا جاتا ہے۔ یہ ارتعاشات آپ کے ٹیلے وژن کے اینٹینا میں ہوتے ہوتے سیٹ میں

داخل ہوتے ہیں جہاں برعکس انتظام ہوتا ہے یعنی برقی ارتعاشات پھر روشنی کے اُسی منظر میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور یوں آپ وہ منظر دیکھ لیتے ہیں جو ٹیلی کاسٹ ہو رہا ہے۔

س: اے سی اور ڈی سی کرنٹ کیسے پیدا ہوتی ہے۔ کیا اے سی کو ڈی سی میں تبدیل کیا جاسکتا ہے؟
شکیل اختر چھیپا، ٹنڈو محمد خان

ج: اے سی جنریٹر یا ڈائی نیمو کی مدد سے پیدا کی جاتی ہے۔ بڑے پیمانے پر اس مقصد کے لیے جو جنریٹر استعمال کیا جاتا ہے اُس میں مرکزی طور پر ایک قوی مقناطیس ہوتا ہے جس کے شمالی اور جنوبی قطبین کے درمیان تاروں کا ایک لچھا جسے آرمیچر کہتے ہیں، بڑے زور سے گھومتا ہے۔ اس کے گھومنے سے مقناطیسی خطوط کٹتے ہیں اور یوں کرنٹ پیدا ہوتی ہے۔ آرمیچر کو گھمانے کے لیے ایک ٹربائن استعمال کی جاتی ہے، جو گرتے ہوئے پانی کے زور سے گھومتی ہے۔ آپ نے ایسے جنریٹر دیکھے ہوں گے جو آبشار یا کسی نہر یا دریا کے گرتے ہوئے پانی سے چلتے ہیں۔ اے سی کو ایک اور آلے کی مدد سے ڈی سی میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ اس آلے کو کموٹیٹر کہتے ہیں۔

س: دنیا میں جب ماچس نہیں تھی تو انسان آگ کس طرح جلاتا تھا؟
حیدر علی اکبر علی، کراچی

ج: اُس پرانے طریقے کا نمونہ تو آج بھی ہمارے سگرٹ لائٹر میں نظر آتا ہے، جس میں ایک چھوٹا سا چقماق پتھر لگا ہوتا ہے اور ساتھ ہی تیل میں بھیگی ہوئی بتّی ہوتی ہے۔ جب آپ پتّھر کو زور سے گھماتے ہیں تو رگڑ کی وجہ سے اُس سے چنگاریاں نکلتی ہیں جن سے بتّی جل اُٹھتی ہے۔ یہ ایک قدرتی اصول ہے کہ دو پتّھر آپس میں ٹکراتے ہیں تو چنگاریاں نکلتی ہیں۔ پرانے زمانے میں پتھروں کی رگڑ سے ہی آگ جلائی جاتی تھی۔ بعض پتّھروں سے زیادہ چنگاریاں نکلتی ہیں جیسے چقماق سے نکلتی ہیں۔

تحفے

مُسکراتے جُملے — عظیم اقوال — انوکھے نکتے — دل چسپ تحریریں

پیروی

مرسلہ: ایم۔ اے قادر ایرانی

ایک دفعہ امام ابوحنیفہ کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں ایک لڑکے کو کیچڑ میں چلتے ہوئے دیکھا۔ آپؒ نے فرمایا: "اے لڑکے، ذرا ہوش سے چل، کہیں پھسل نہ جائے۔" لڑکے نے جواب دیا: "اگر میں گروں گا تو تنہا گروں گا، لیکن آپ ہوش سے کام لیں کہ آپ کا پاؤں پھسل گیا تو تمام مسلمان بھی پھسل جائیں گے جو آپ کی پیروی کرتے ہیں اور پھر سب کا اٹھنا دشوار ہو گا۔"

امام ابوحنیفہ کو اس لڑکے کی عقل مندی پر تعجب ہوا اور آپؒ رو پڑے اور اپنے مریدوں سے فرمایا: "اگر تم کو کسی مسئلے پر شبہ ہو اور کوئی روشن دلیل موجود نہ ہو تو اس میں میری پیروی نہ کرو۔"

مسلمان کی خصوصیت

مرسلہ: محمد اسلم یامین، کراچی

مسلمان جھکنے کے لیے پیدا نہیں ہوا، اگر اسے جھکانے کی کوشش کی گئی تو بابر بن جائے گا یا ٹیپو سلطان کی صورت میں نمودار ہو گا یا مر جائے گا، لیکن محکومی قبول نہ کرے گا۔ — قائداعظم

تقریر

مرسلہ: گل خاں نیازی، کراچی

ایک مرتبہ برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر چرچل جلدی میں ایک ٹیکسی میں سوار ہوئے۔ انھوں نے ڈرائیور سے کہا: "برٹش براڈ کاسٹنگ ہاؤس چلو۔" ڈرائیور نے ان کی طرف دیکھا اور بے پروائی سے کہا: "مجھے افسوس ہے کہ میں یہاں سے کہیں نہیں جا سکتا۔ ٹھیک آدھ گھنٹے کے بعد مسٹر چرچل کی تقریر ہونے والی ہے اور میں کسی قیمت پر بھی اس سے محروم رہنا پسند نہیں کروں گا۔" مسٹر چرچل یہ سُن کر دل میں بہت خوش ہوئے اور انھوں نے ٹیکسی ڈرائیور کے ہاتھ میں ایک پاؤنڈ کا نوٹ تھما دیا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے گھوم کر انھیں بڑے تعجب سے دیکھا اور کہا: "آپ نہایت نیک انسان معلوم ہوتے ہیں۔ مسٹر چرچل اور ان کی تقریر جہنم میں جائے، چلیے میں آپ کو چھوڑ آؤں۔"

رشک

مرسلہ: نجمہ خورشید، کراچی

ٹیگور کو بچپن میں لڑکیوں پر بہت رشک آتا

تھا۔ وہ کہتے تھے: "ہائے لڑکی ہونا کتنی اعلا بات ہے۔"

اس کی وجہ یہ تھی کہ ان دنوں لڑکیوں کو اسکول نہیں جانا پڑتا تھا۔

فرماتے ہیں

مرسلہ: عظمیٰ رؤف، کراچی

"فرماتے ہیں" کا ایک فائدہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ کبھی کبھی اس کے استعمال سے آپ دوسروں کو متاثر کر سکتے ہیں۔ سگرٹ نوشی کے خلاف باتیں ہو رہی ہوں تو فوراً کہہ دیجیے کہ لارڈ کرزن فرماتے ہیں کہ سگرٹ پینے سے تو بہتر ہے کہ انسان زہر پی لے۔

یونہی کسی کا نام لے کر جو جی میں آئے کہہ دیجیے...... سو جہاں کچھ شبہ ہو اور نام یاد نہ آتا ہو تو وہاں فوراً شیکسپیئر کا نام لے دیجیے، کسی کی کیا مجال کہ آپ کو ٹوک دے۔ شیکسپیئر نے دنیا کے ہر موضوع پر کچھ نہ کچھ ضرور فرمایا ہے۔ اس کا نام آپ بلا جھجک لے سکتے ہیں۔ اگر حساب لگایا جائے تو سب سے زیادہ شیکسپیئر صاحب فرماتے ہیں۔ دوسرے نمبر پر سعدی صاحب اور تیسرے نمبر پر گوئٹے، کنفیوشس اور نطشے آتے ہیں۔

——— شفیق الرحمٰن

مکھن

مرسلہ: نسرین خان، کراچی

"مکھن کہاں ہے؟"

"مکھن ختم، خلاص۔"

"سارا کھا لیا؟"

"نہیں سارا لگا دیا۔ یہ کھانے کی چیز تھوڑا ہی ہے لگانے کی ہے۔ جس کو لگاؤ پھسل پڑتا ہے۔"

"جو پھسلے گا اس کی ٹانگ ٹوٹ جائے گی۔"

"یہ سوچنا اس کا کام ہے، ہمارا کام تو لگانا ہے۔"

——— ابنِ انشاء

قلندر

مرسلہ: فرحت سعید، کراچی

حالات کے قدموں میں قلندر نہیں گرتا
ٹوٹے بھی جو تارا تو زمیں پر نہیں گرتا
گرتے ہیں سمندر میں بڑے شوق سے دریا
لیکن کسی دریا میں سمندر نہیں گرتا

——— منیر نیازی

ماش کی دال

مرسلہ: محمد عامر خان، شاہ پور چاکر

نواب آصف الدولہ کے سامنے ایک نیا باورچی پیش کیا گیا۔ نواب نے اس سے دریافت کیا، "کیا پکاتے ہو؟" باورچی نے جواب دیا، "صرف ماش کی دال۔" نواب صاحب نے پوچھا، "تنخواہ کیا لوگے؟" اُس نے کہا، "پانچ سو رُپے۔" نواب نے منظور کر لیا، مگر باورچی بولا، "میں ایک شرط پر نوکری کروں گا۔ شرط یہ ہے کہ جب حضور کو میرے ہاتھ کی دال

کھانے کا شوق ہو تو ایک روز پہلے حکم ہو جائے اور جب میں اطلاع دوں کہ دال تیار ہے تو حضور اُسی وقت تناول فرمالیں۔" نواب نے شرط قبول کرلی۔ چند ہفتے بعد باورچی کو دال پکانے کا حکم ملا۔ اس نے نہایت اہتمام سے دال پکائی اور نواب کو خبر کردی۔ نواب نے کہا، "اچھا دسترخوان بچھاؤ ہم آتے ہیں۔"

دسترخوان بچھا دیا گیا مگر نواب باتوں میں لگے رہے۔ باورچی نے پھر اطلاع بھجوائی کہ "خاصا تیار ہے۔" نواب بہ دستور باتوں میں لگے رہے۔ باورچی نے تیسری مرتبہ خبر کی، مگر نواب صاحب اب بھی نہ آئے۔ باورچی نے دال کی ہانڈی ایک سوکھے پیڑ کی جڑ میں انڈیل دی اور استعفا دے کر چلا گیا۔ نواب کو بہت افسوس ہوا۔ باورچی کو تلاش کروایا، مگر وہ نہ ملا۔ چند روز بعد سوکھا ہوا پیڑ سرسبز ہو گیا۔ مولانا عبدالحلیم شرر

عالی جی کی پریشانی

مرسلہ: عروج فاطمہ، حیدرآباد

زیورخ شاید دنیا کا سب سے زیادہ صاف ستھرا شہر ہے۔ ایک بار میں سڑک پر لگی ہوئی مشین سے آئس کریم کا ایک کپ نکال کر کھانے لگا۔ قاعدے سے مجھے وہیں کھا کر کپ کو مشین کے نیچے والے حصے میں پھینک دینا چاہیے تھا، مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔ مجھے یہ معلوم نہیں تھا۔ میں تھوڑی دُور جا کر ایک بنچ پر بیٹھ گیا۔ آئس کریم کھائی اور کپ پھینکنا چاہا مگر کہیں بھی کوئی کاغذ کا پرزہ تک نظر نہ آیا۔ لوگ آس پاس سے گزر رہے تھے شرم کے مارے کچھ کر نہیں سکتا تھا۔ کپ ہاتھ میں لے کر ڈسٹ بن یعنی کوڑے کے بکس کی تلاش میں چلا۔ کہیں نظر نہیں آیا۔ بیچ شہر میں پہنچ کر خالی کپ ہاتھ میں اور بھی بُرا لگا۔ یا اللہ! کیا کروں؟ کپ کو جیب میں رکھ لیا تو وہ پھول سی گئی، گیلی الگ ہو گئی۔ باہر نکالا۔ ایک اخبار خرید کر اس میں کپ کو لپیٹا اور پھر چلا۔ صاحبو! اس آئس کریم نے مجھے کوئی تین میل چلایا۔ آخر تھک ہار کر واپس ہوا۔ اپنے ہوٹل پہنچا۔ اور بیرے کی مدد سے خلاصی پائی، مگر آج تک یاد ہے کہ زیورخ کی جتنی شاہراہوں، یہاں تک کہ گلیوں سے بھی گزرا ہوں ان پر سگرٹ کا ایک ٹوٹا تک نظر نہ آیا۔ خدا جانے اس کا راز کیا ہے! یہاں تو جب تک پان چبا کر سڑک پر نہ تھوکا جائے کلچر یعنی ثقافت وغیرہ کا لطف ہی نہیں آتا۔

______ جمیل الدین عالی

خرابیِ بسیار

مرسلہ: سید فرحت حسین جیلانی، کراچی

ایک فلاسفر کا کہنا ہے کہ بیس سال کی عمر میں ہمیں اس بات کی کوئی پروا نہیں ہوتی کہ دنیا ہمیں کیا کہتی ہے۔ تیس سال کی عمر میں ہم کسی حد تک سنجیدگی سے یہ جاننے کی کوشش کرنے لگتے

ہیں، لیکن چالیس سال کی عمر میں ہم پر یہ راز کھلتا ہے کہ دنیا کو ہم سے کوئی غرض نہیں اور وہ ہم سے کچھ نہیں کہتی۔"

خاموشی

مرسلہ: لبنیٰ شاہین، اسلام آباد

"تمھاری گفت گو اگر موتی بھی بکھیر دے تو خاموشی بہتر ہے۔ سیپ کی مانند خاموش رہو جس میں موتی بھرے ہوتے ہیں۔

گردشِ ایام

مرسلہ: محسن رجب علی، نوابشاہ

سنہ عیسوی سے کہیں زیادہ مشکل اُن تاریخوں کا یاد رکھنا ہے جن میں قبل مسیح آتا ہے۔ اس لیے کہ یہاں مورخین گردشِ ایام کو پیچھے کی طرف دوڑاتے ہیں۔ ان کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے ذہنی شیرس آسن کرنا پڑتا ہے جو اتنا ہی دشوار ہے جتنا اُلٹے پہاڑے سُنانا۔ اس کو طالب علموں کی خوش قسمتی کہیے کہ تاریخ قبلِ میلادِ مسیح نسبتاً مختصر اور ادھوری ہے۔ اگرچہ مورخین کوشاں ہیں کہ جدید تحقیق سے بے زبان بچّوں کی مشکلات میں اضافہ کردیں۔ بھولے بھالے بچّوں کو جب یہ بتایا جاتا ہے کہ روم کی داغ بیل ۷۵۳ قبلِ مسیح میں پڑی تو وہ ننھے مُنّے ہاتھ اُٹھا کر سوال کرتے ہیں کہ اُس زمانے کے لوگوں کو یہ پتا کیسے چل گیا کہ حضرت عیسیٰ کے پیدا ہونے میں ابھی ۷۵۳ سال باقی ہیں۔ اُن کی سمجھ میں یہ بھی نہیں آتا کہ ۷۵۳ قبلِ مسیح کو ساتویں صدی شمار کریں یا آٹھویں۔ عقل مند استاد ان جاہلانہ سوالات کا جواب عموماً خاموشی سے دیتے ہیں۔ آگے چل کر یہی بچّے جب پڑھتے ہیں کہ سکندر ۳۵۶ قبلِ مسیح میں پیدا ہوا ۳۲۳ ق.م میں فوت ہوا تو وہ اسے کتابت کی غلطی سمجھتے ہوئے استاد سے پوچھتے ہیں کہ یہ بادشاہ پیدا ہونے سے پہلے کس طرح مرا؟

استاد جواب دیتا ہے کہ پیارے بچّو! اگلے وقتوں میں ظالم بادشاہ اسی طرح مرتے تھے۔

—— مشتاق احمد یوسفی

انسانی زندگی

مرسلہ: عظمیٰ رؤف، کراچی

انسانی زندگی مانندِ حباب ہے۔ پل میں ابھری، پل میں ڈوبی۔ اس مختصر عرصے میں انسان، چمک دار نگینہ بھی بن سکتا ہے اور بے نور کانچ کا ٹکڑا بھی۔ وہی بارش کا قطرہ جو سیپ میں بند رہنے سے آبدار موتی بن کر نکلتا ہے، دلدل میں گرے تو کیچڑ بھی بن سکتا ہے۔

کتّا اور مسافر

مرسلہ: شمائلہ شمیم، کراچی

مسافر نے ایک کسان سے کہا، "اگر آپ مجھے اپنے کھیتوں میں سے گزر جانے دیں تو میں ساڑھے چھے بجے والی ٹرین پکڑ لوں گا۔" کسان نے کہا، "ضرور، لیکن میرے کتّے نے آپ کو دیکھ لیا تو وہ آپ کو پونے چھے بجے والی گاڑی میں سوار کرا دے گا۔"

ایک طالب علم، ایک اُستاد

مسعود احمد برکاتی

آپ طالب علم ہیں۔ علم کا اُجالا ڈھونڈنے والے ہیں۔ روشنی چاہنے والا روشنی کو چُھپاتا نہیں پھیلاتا ہے۔ اسی طرح علم کا طالب علم کو پھیلاتا بھی ہے۔ آپ آج سے ارادہ کرلیں کہ کم سے کم کسی ایک اَن پڑھ کو لکھنا پڑھنا سکھائیں گے۔ اس طرح پڑھے لکھے لوگوں کی یعنی آپ کی تعداد کم سے کم دُگنی ہو جائے گی اور تعلیم عام ہو گی۔ تعلیم کے دوسرے معنی ترقی کے ہیں۔ تعلیم کے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ ترقی کرنا کیا معنی زندہ ہی نہیں رہ سکتی۔ کیا ہم زندہ ہیں؟ آج آپ جو خرابیاں اور پریشانیاں دیکھ رہے ہیں اُن کی وجہ یہی ہے کہ ہم تعلیم میں پیچھے ہیں۔ ہمارے بھائیوں کی اکثریت علم کے نور سے محروم ہے۔ یہ آنکھوں کے نُور سے محروم ہونے سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔

ہمارے ہاں کُل ۲۶،۲۷ فی صد تعلیم ہے۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی! آزادی کے ۳۷ سال گزرنے کے بھی بعد بھی پاکستان کے سو میں سے صرف ۲۱۔۲۲ لوگ تعلیم حاصل کر سکے۔ بڑی تکلیف کی بات ہے اور بڑے شرم کی بات ہے۔

آپ کو جو نعمت حاصل ہوتی ہے اُس میں سے آپ دوسروں کو بھی حصّہ دیتے ہیں۔ تعلیم کی نعمت آپ کو حاصل ہوئی ہے تو اس میں کیوں کنجوسی کریں اور یہ تو ایسی نعمت ہے کہ جتنی بانٹیں گے اتنی ہی اس میں برکت ہو گی۔ آپ اپنے وقت کا بڑا حصّہ تعلیم لینے پر صَرف کرتے ہیں، تھوڑا سا حصّہ تعلیم دینے پر بھی صَرف کریں۔

اگر آپ روزانہ آدھا گھنٹہ چند اَن پڑھ بچّوں کو یا بڑوں کو پڑھانے لگیں تو تھوڑے ہی دن میں وہ پڑھنا لکھنا سیکھ جائیں گے۔ ایسے بچّے اور بڑے بہت ہیں جو خواندہ نہیں ہیں۔ وہ بے چارے الف ب بھی نہیں پڑھ سکتے۔ گویا خزانہ موجود ہے، لیکن وہ بے بس کھڑے ہیں، اس کی کُنجی اُن کے پاس نہیں ہے۔ لہٰذا خزانے کے دروازے پر کھڑے ہوئے ملال سے ہاتھ مل رہے ہیں۔ آپ اُن کا ہاتھ تھامیے اور اُن کو علم کی کُنجی دے دیجیے۔ یہ آپ کا بڑا

احسان ہو گا اور آپ کو اس کا بدلا بھی ملے گا۔ اس کا صلہ ہے قوم کی ترقی، وطن کی تعمیر، اپنے بھائیوں کی بھلائی اور خود اپنا سکون۔ اس سے زیادہ اور کیا معاوضہ چاہیے۔

آج ہی آپ زیادہ نہیں تو ایک ہی بے پڑھا لکھا ڈھونڈ لیجیے۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ ایسے لوگ بہت ہیں۔ ان کو تعلیم کے فائدے بتانا بھی آپ کا کام ہے۔ یہ فائدہ بتا کر اُن کو تیار کر لیجیے اور کل سے پڑھانا شروع کر دیجیے۔ وہ کچھ سیکھ لے تو اس سے کہیے کہ اب وہ بھی کسی اور کو سکھائے۔ اس طرح چراغ سے چراغ جلتا جائے گا اور بہت جلد علم کی دولت عام ہو جائے گی۔ ہر طالب علم ایک استاد بھی بن جائے گا۔

جہالت نے ہمیں بہت سی اچھی چیزوں سے محروم اور بہت سی برائیوں میں مبتلا کر رکھا ہے۔ جہالت کم ہو گی تو برائیاں بھی کم ہوں گی۔ لوگوں میں سمجھ آئے گی۔ احساس اور شعور پیدا ہو گا۔ قوم آگے بڑھے گی۔ وطن کا نام روشن ہو گا۔ اس سے ہمیں بھی فائدہ ہو گا۔ لوگوں کی جہالت اور کم اخلاقی کی وجہ سے ہمیں بہت سی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تعلیم عام ہو گی تو ہم ان پریشانیوں سے بچیں گے۔ گویا یہ قوم کی خدمت بھی ہو گی اور خود پر بھی احسان ہو گا۔

یونیسکو نے اس سال کو نوجوانوں کا سال قرار دیا ہے۔ نونہال اور نوعمر بھی اس سال تعلیم پھیلانے کا کام کر کے نوجوانوں جیسے کاموں میں شریک ہو سکتے ہیں۔

قصّہ اژدہا پکڑنے کا

(کہانیاں)

کتاب جس کو نیشنل بک کونسل پاکستان نے ۱۹۷۷ء کا پہلا انعام دیا

عام لوگ اژدہے کا نام سُن کر کانپ اٹھتے ہیں، لیکن ایسے لوگ بھی ہیں جن کا مشغلہ اژدہے پکڑنا ہے۔ اس کتاب میں آپ ایک ایسے ہی نڈر شخص کی کہانی پڑھیں گے۔ یہ اور بہت سی دُوسری دل چسپ اور حیران کُن باتیں آپ کو اس کتاب کی آٹھ کہانیوں میں ملیں گی۔

قیمت ۵۰ .۳ رُپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد

کراچی ۱۸

معلومات عامہ ۲۲۶

اس بار تمام سوالات پاکستان کے اُن واقعات سے متعلق ہیں جو ۱۹۸۴ء میں پیش آئے۔ اس بار بھی سوالات کی تعداد ۱۲ ہے۔ دس یا زیادہ صحیح جوابات والوں کی تصویریں شائع کی جائیں گی۔ تصویریں نہ ہوئیں تو ان کے نام اور ۹ صحیح جوابات والوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ جوابات ۲۰ فروری ۱۹۸۵ء تک بھیج دیجیے۔ جوابات کے کاغذ پر نیچے اپنے نام اور پتے کے علاوہ کچھ نہ لکھیے۔ تصویر کے پیچھے بھی اپنا نام اور شہر یا گاؤں کا نام صاف صاف لکھیے۔

پاکستان ۱۹۸۴ء میں

۱۔ جن صحافیوں کا انتقال ۱۹۸۴ء میں ہوا اُن میں سے تین کے نام بتائیے!

۲۔ ۸۴ء کے آغاز میں پاکستان کے کن دو صوبوں میں زلزلے آئے۔

۳۔ ایک ملک کے صدر نے جنوری اور فروری ۸۴ء میں پاکستان کا دورہ کیا تھا، صدر کا نام بتائیے۔

۴۔ سائنس اور ٹکنالوجی کا قومی کمیشن کس تاریخ کو قائم کیا گیا۔

۵۔ جولائی ۸۴ء میں آئی۔ ایل۔ او کی رُکنیت کے لیے سب سے زیادہ ووٹ کس ملک کو ملے؟

۶۔ وفاقی حکومت کے دفاتر میں ایک کے بجائے دو ہفتہ وار چھٹیوں کا اعلان کس تاریخ کو ہوا۔

۷۔ قانونِ شہادت کا صدارتی حکم کس تاریخ کو جاری ہوا تھا؟

۸۔ ۸۴ء میں حیدرآباد کے قریب کس مقام پر تیل دریافت کیا گیا۔

۹۔ پچھلے دِنوں پنجابی زبان کے ایک بڑے شاعر کا انتقال ہوا۔ نام بتائیے۔

۱۰۔ ۸۴ء میں پاکستان کے ایک عالمی شہرت یافتہ شاعر کا انتقال ہوا۔ اُن کا نام بتائیے اور یہ بھی بتائیے کہ ان کو امن کا کون سا عالمی اعزاز ملا تھا۔

۱۱۔ مجلسِ شوریٰ ہال میں اسلامی یک جہتی سیمینار کے پہلے اجلاس کی صدارت کس نے کی؟

۱۲۔ ستمبر ۸۴ء میں پاکستان کے وزیرِ خارجہ نے افغان مسئلے پر نیویارک میں مذاکرات کیے۔ مذاکرات میں شریک دوسری شخصیت کا نام بتائیے اور یہ بھی بتائیے کہ اس کا تعلق کس ملک سے ہے۔

ولیم شیکسپیئر

سلیم جعفر

شیکسپیئر کا نام تو سب ہی نے سُن رکھا ہے۔ اس کے ڈراموں کا نام بھی کانوں میں پڑتا رہتا ہے۔ اتنے بڑے ادیب کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلومات ہر طالب علم اور ہر پڑھے لکھے آدمی کو ہونی چاہیے۔ خاص طور پر نونہالوں کو اس کی زندگی سے سبق حاصل کرنا چاہیے کہ مالی حالات خراب ہونے اور پریشانیوں کے باوجود شیکسپیئر اپنی ذہانت اور قابلیت کیسے کام میں لایا اور اتنی ترقی کی کہ چار سو سال گزرنے کے باوجود آج تک ساری دنیا میں اس کا نام ہے اور ہر ملک میں اس کے ڈرامے شوق سے پڑھے جاتے ہیں۔

ولیم شیکسپیئر انسانی فطرت کی بہت اچھی عکاسی کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے ڈرامے اب تک پسند کیے جاتے ہیں، کیوں کہ وہ انسانی فطرت کو سمجھنے میں مدد کرتے ہیں۔ وہ اپنے خیال کو ظاہر کرنے کے لیے خوب صورت اور مؤثر الفاظ چُنتا تھا اور انھیں اچھوتے انداز میں بیان کرتا تھا۔ ایک اور بات جو بڑی اہمیت رکھتی ہے یہ ہے کہ اس نے زندگی کے ہر پہلو کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے جملے مختصر، پُرمغز اور شگفتہ ہوتے تھے، اسی لیے اس کے بے شمار جملے "زرین اقوال" کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔

شیکسپیئر کے ڈرامے موضوع کے لحاظ سے تین قسموں میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں:۔ (۱) تاریخی، جن میں عام طور پر بادشاہوں کی زندگی کے اُتار چڑھاؤ پیش کیے گئے ہیں۔ ان میں شاہ جان، جولیس سیزر اور انتونی اور قلوپطرہ جیسے ڈرامے شامل ہیں۔ (۲) مزاحیہ، جن کا خاتمہ عام طور پر خوش گوار ہوتا ہے، مثلاً مرچنٹ اوف وینس جسے اردو میں یہودی کی لڑکی کے نام سے منتقل کیا گیا تھا۔ (۳) المیہ جن کا خاتمہ دردناک واقعات پر ہوتا ہے مثلاً ہیملٹ۔

ہم اس بار شیکسپیئر پر ایک مضمون اور خود شیکسپیئر کی ایک کہانی شائع کر رہے ہیں جو اس کے ڈرامے سے بنائی گئی ہے۔ مضمون بہت پرانا ہے۔ بچّوں کا ایک رسالہ "پھول" نکلتا تھا۔ اس میں یہ مضمون شائع ہوا تھا، اس لیے اس میں گاما کا ذکر ہے، جو اُس زمانے میں زندہ تھے۔

(ادارہ)

بچّو، جب تم بڑے ہوگے اور اُونچے اُونچے درجوں میں پہنچو گے تو انگریزی کے ایک مُصنّف کا حال پڑھو گے، جس کی برابری اُس زبان کا کوئی مصنّف نہیں کر سکتا۔ یہ وہ لوگ کہتے ہیں جو انگریز نہیں، لیکن انگریزوں سے پوچھو گے تو کہیں گے کہ ہمارے ہی ملک میں کیا دنیا بھر میں اس کا جواب نہیں۔ اُس کی کتابوں میں انھیں وہ باتیں دکھائی دیتی ہیں، جو کسی زبان کی کتابوں میں نہیں ملتیں، جیسے تم سے کوئی پوچھے کہ آج کل سب سے بڑا پہلوان کون ہے۔ تم جھٹ بول اٹھو گے کہ گاما۔ اسی طرح کسی انگریز سے پوچھا جائے کہ تمھارے ہاں سب سے بڑا مُصنّف کون ہوا ہے، تو وہ فوراً کہہ دے گا، ولیم شیکسپیئر۔

ولیم شیکسپیئر اتنا بڑا آدمی ہے تو شاید تمھیں یہ بھی خیال ہوا ہو گا کہ کسی رئیس کا بیٹا ہو گا۔ اُس کا بچپن سے لے کر مرتے دَم تک سارا حال معلوم ہو گا۔ یہ خیال غلط ہے۔ بڑے ہو گے، خوب پڑھو لکھو گے تو معلوم ہو گا کہ اکثر گدڑیوں میں لعل ہوتے ہیں۔ پھر دنیا کی عادت بھی یہ ہے کہ لعل نظر پڑتے ہی سب اسی کو دیکھنے لگتے ہیں۔ اس کا خیال شاید کسی کو بھولے بھٹکے ہی آتا ہے کہ گدڑی کہاں سے آئی۔ اسی طرح شیکسپیئر اور اس کے خاندان کا حال ہے۔

لوگوں نے زمین آسمان کے قلابے ملا دیے اور پتا لگا تو اتنا کہ باپ کا نام جان شیکسپیئر اور دادا کا نام رچرڈ شیکسپیئر تھا۔ معمولی حیثیت کے آدمی اور انگلستان کے پچھّم اُتّر کے ایک قصبے کے رہنے والے تھے۔

اپریل ۱۵۶۴ء میں جان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام اُس نے ولیم رکھا۔ اس لڑکے نے اپنے قصبے کے چھوٹے سے مدرسے (گرامر اسکول) میں انگریزی پڑھی اور کام چلاؤ لاطینی اور یونانی زبانیں بھی سیکھ لیں۔

جان شیکسپیئر کا کنبہ خاصا بڑا تھا۔ ولیم کے علاوہ چار بچّے اور تھے۔ اتنی جانوں کے لیے روٹی کپڑے کی فکر کرنی پڑتی تھی تو جتن بھی بہت سے کرنے پڑتے تھے۔ جس کام میں دو پیسے ملتے دکھائی دیے وہی کام کرنے لگا۔ زیادہ تر تو دستانے بنا کر بیچتا تھا، لیکن اُون، لکڑی اور جَو کا سودا بھی کر لیتا تھا۔ کھیتی

باڑی سے بھی نہ چوکتا۔

ولیم تیرہ برس ہی کا ہوا تھا کہ جان کی قسمت پلٹ گئی۔ جو کچھ تھوڑی بہت جائداد تھی قرض دینے والوں کی نذر ہو گئی۔ اب پڑھانا لکھانا کیسا۔ روٹیوں کی فکر پڑ گئی۔ ولیم کو ایک سوداگر کے ہاں نوکر رکھا دیا۔ ولیم نے ۱۵۸۲ء میں پاس ہی کے ایک گاؤں کی لڑکی سے شادی کی جو عمر میں اُس سے آٹھ برس بڑی تھی۔ اس کے ہاں پہلے ایک لڑکی اور پھر دو جُڑواں لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

۱۵۸۴ء میں یا اس کے بعد ہی شیکسپیئر کو گھر چھوڑنا پڑا۔ اس کی وجہ کوئی کچھ بتاتا ہے اور کوئی کچھ، مگر ایک قصّہ یہ بھی مشہور ہے کہ اس نے چوری سے اپنے قصبے کے ایک رئیس کی شکارگاہ میں شکار کھیلا۔ بھانڈا پھوٹا تو سزا سے بچنے کے لیے بھاگ کر لندن پہنچا۔ یہی سچ معلوم ہوتا ہے۔

معلوم نہیں کہ لندن جانے کے بعد شیکسپیئر کیا کرتا رہا۔ جتنے منھ اُتنی ہی باتیں، لیکن ۱۵۹۲ء میں اُس نے ایک ناٹک (ڈراما) لکھا اور اُسی زمانے میں وہ ایک ناٹک گھر میں ایکٹری بھی کرتا تھا۔ اسی لیے اُس پر لوگوں کی نظریں پڑنے لگیں۔ اُس نے اُس وقت سے لے کر ۱۶۱۳ء تک اڑتیس ناٹک لکھے۔ نظمیں اس کے علاوہ ہیں۔ دو ایک ناٹک کمپنیوں میں نوکری کی اور ایک کمپنی میں اس کا حصّہ بھی تھا۔ اس کی کتابوں نے اُسے بہت مشہور کر دیا اور ان سے اُس نے بہت سا روپیہ کما کر اپنے قصبے میں زمینیں خریدیں۔ ۱۶۱۰ء میں سب کار بار چھوڑ دیا اور وہیں رہنے سہنے لگا۔ چھے برس بعد اپریل ۱۶۱۶ء میں اس دنیا سے باون برس کی عمر میں چل بسا۔ اپنے قصبے ہی کے گرجا میں دفن ہوا۔

جس زمانے میں شیکسپیئر تھا اسی زمانے میں انگلستان میں ایک اور بہت بڑا مصنّف ہوا ہے، جس کا نام بیکن تھا۔ شیکسپیئر کے سوڈیڑھ سو برس بعد سے یہ ہوا بھی چل گئی کہ جو کتابیں شیکسپیئر کے نام سے چھپیں وہ خود اُس نے نہیں لکھیں، بلکہ بیکن نے لکھ کر اُسے دے دیں۔ بیکن بہت بڑا عالم تھا اور اُن دنوں ناٹک کا لکھنا بُرا سمجھا جاتا تھا۔ اپنے نام سے ناٹک چھپواتا تو بدنام ہو جاتا، اس لیے بیکن اپنا نام چُھپانا چاہتا تھا۔ زیادہ تر لوگوں کا تو یہی خیال ہے کہ جو لوگ شیکسپیئر کے ناٹکوں کو بیکن کے ناٹک بتاتے ہیں وہ بے پَر کی اُڑاتے ہیں، مگر کچھ آدمی ایسے ضرور ہیں جو اس خیال کو اپنے دل سے نہیں نکال سکتے کہ یہ ناٹک بیکن ہی کے ہیں۔ خیر، ہمیں اس سے کیا لینا کہ یہ ناٹک کس نے لکھے۔ ہم تو آم کھانے والوں میں ہیں، پیڑ گننے والوں میں نہیں۔ یہ صدیوں سے شیکسپیئر کے نام سے مشہور چلے آتے ہیں۔ ہم بھی انھیں اسی کے لکھے مان لیتے ہیں۔

ولیم شیکسپیئر کا ایک ڈراما کہانی کی شکل میں

کہانی ایک بادشاہ کی

پرانے زمانے میں برطانیہ کا ایک بادشاہ تھا جس کا نام تھا شاہ لیئر (LEAR)۔ وہ بڑا شان دار آدمی تھا، مگر اب وہ بہت بوڑھا ہو چکا تھا، لہٰذا اس نے یہ طے کیا کہ بادشاہت چھوڑ دے گا اور اپنی باقی ماندہ زندگی اطمینان و سکون سے گزارے گا۔ بادشاہ کی تین بیٹیاں تھیں۔ ایک کا نام تھا گونرِل (GONERIL)۔ دوسری کا نام تھا رِیگن (REGAN) اور تیسری کا نام تھا کارڈیلیا (CORDELIA)۔ اس نے اپنی سلطنت کو ان تینوں بیٹیوں میں تقسیم کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ بادشاہ کو اپنی بیٹیوں سے بڑی محبّت تھی۔ اس نے انھیں بلوا بھیجا تاکہ معلوم کرے کہ ان میں سے ہر ایک اس کو کتنا چاہتی ہے۔

سب سے پہلے اس نے بڑی بیٹی سے پُوچھا۔ اس بیٹی کی شادی البانی کے نواب (DUKE OF ALBANY) سے ہوئی تھی۔ بیٹی نے فوراً جواب دیا، "میں تو آپ سے اتنی محبّت کرتی ہوں کہ بیان نہیں کر سکتی۔ بس یوں سمجھیے کہ اپنی جان سے بھی زیادہ آپ کو چاہتی ہوں۔" بوڑھا بادشاہ بیٹی کے اس جواب سے بہت خوش ہوا۔ اس نے ایک نقشہ پھیلا کر اپنی سلطنت کے تیسرے حصّے پر انگلی گھمائی اور بولا، "سلطنت کا یہ حصّہ تمھاری مِلکیت ہے۔"

پھر اس نے دوسری بیٹی رِیگن کو بلوایا۔ اس بیٹی کی شادی کارنوال کے نواب DUKE OF CORNWALL سے ہوئی تھی۔ اس بیٹی نے دیکھا کہ بڑی بہن کے جواب سے باپ بڑا خوش ہوا ہے تو بولی، "ابّا جان، میں تو آپ کو گونرِل سے بھی زیادہ چاہتی ہوں۔ میری تو بس یہی تمنّا ہے کہ آپ کی خدمت کرتی رہوں۔"

بادشاہ نے اس کو بھی اپنی سلطنت کا ایک تہائی حصّہ دے دیا۔ آخر میں سب سے چھوٹی بیٹی کارڈیلیا کی باری آئی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی بڑی بہنوں نے بوڑھے باپ سے جھوٹ بولا ہے۔ انھوں نے سلطنت حاصل کرنے کے لیے محبّت کا دعوا

کیا ہے۔ کارڈیلیا کو اپنے باپ سے سچّی محبّت تھی، لیکن جب باپ نے اس سے کہا کہ کارڈیلیا، تم کیا کہتی ہو؟ تو وہ بولی:

"کچھ نہیں۔"

بات یہ تھی کہ وہ اپنی بہنوں کی جھوٹی باتیں سُن کر نہایت بد دِل ہو گئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ حقیقی محبّت محض الفاظ سے ظاہر نہیں ہوتی۔ بادشاہ کو اس کے جواب پر بڑا غصّہ آیا، لہٰذا وہ خفا ہو کر بولا، "اچھا! کچھ نہیں! تو پھر تم کو کچھ نہیں ملے گا۔"

یہ بادشاہ بڑا مستقل مزاج واقع ہوا تھا۔ چناں چہ اس نے کارڈیلیا کو سلطنت سے بالکل محروم کر دیا۔ سلطنت کا جو حصّہ اس نے کارڈیلیا کے لیے رکھّا تھا وہ بھی دونوں بڑی بیٹیوں میں تقسیم کر دیا۔ خود اپنے لیے بادشاہ نے صرف شاہی لقب برقرار

رکھا۔ سو بہادروں کو اپنی خدمت کے لیے منتخب کر لیا اور یہ طے کیا کہ وہ باری باری سے اپنی بڑی بیٹی اور منجھلی بیٹی کے پاس رہا کرے گا۔ بادشاہ نے اپنی سلطنت دونوں داماددوں کے سپرد کر دی اور اپنا تاج بھی ان کو دے دیا۔

درباریوں نے جب سُنا کہ بادشاہ نے چھوٹی بیٹی کو بالکل محروم کر دیا ہے تو انھیں بڑی حیرت ہوئی، لیکن کسی میں اتنی ہمّت نہ تھی کہ کارڈیلیا کی حمایت میں بادشاہ سے کچھ کہتا۔ صرف کینٹ کے نواب کو اتنی جرات ہوئی کہ اس نے صاف صاف بادشاہ سے کہہ دیا کہ آپ نے اپنی چھوٹی بیٹی کے ساتھ بڑی ناانصافی کی ہے۔ اس پر بادشاہ بے حد ناراض ہوا اور اسے جلاوطن کر دیا۔

کارڈیلیا کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ دو آدمی خاص طور سے اس سے شادی کے خواہش مند تھے، ایک تو برگنڈی کا نواب تھا اور دوسرا فرانس کا بادشاہ تھا۔ بادشاہ نے ان دونوں سے پوچھا کہ کیا اب بھی وہ کارڈیلیا سے شادی کرنا چاہتے ہیں جب کہ اسے سلطنت سے محروم کر دیا گیا ہے۔ برگنڈی کے نواب نے درخواست کی کہ سلطنت کا جو حصّہ کارڈیلیا کو ملنا چاہیے تھا وہ اسے دے دیا جائے، مگر بادشاہ نے صاف انکار کر دیا۔ چناں چہ نواب برگنڈی نے شادی سے انکار کر دیا، لیکن فرانس کا بادشاہ کارڈیلیا کی سچائی اور ہمّت کی قدر کرتا تھا، لہٰذا اس نے کہا، "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جس بیٹی کو آپ اتنا چاہتے تھے وہ یکایک کس طرح آپ کی نظروں سے گر گئی۔ میں بہرحال کارڈیلیا سے شادی کرنے کو تیار ہوں۔" اس پر بادشاہ بولا، "تو پھر اسے یہاں سے لے جاؤ۔ میں اس کی صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتا۔"

چناں چہ کارڈیلیا اپنی بہنوں سے روتی ہوئی رخصت ہوئی۔ چلتے چلتے اس نے اپنی بڑی بہنوں سے بڑے دُکھے دِل سے کہا کہ بوڑھے باپ کا خیال رکھیں۔ اسے اندیشہ تھا کہ اس کی بہنیں بوڑھے باپ کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کریں گی۔ کارڈیلیا کا اندیشہ صحیح ثابت ہوا۔ جیسا کہ طے ہوا تھا بادشاہ پہلے اپنی بڑی بیٹی گونورِل کے پاس جا کر رہنے لگا۔ بادشاہ کی حیثیت اب ایک مہمان کی سی تھی۔ وہ ہر ایک

بات کے لیے اپنی بیٹی کا محتاج تھا۔ تھوڑے ہی دنوں میں بادشاہ کو پتا چل گیا کہ اس کی بڑی بیٹی نے جو محبت کا دعوا کیا تھا وہ محض ایک فریب تھا۔ گونورل نے اپنے باپ کے آرام کا کوئی خیال نہ رکھا بلکہ اُلٹا اس کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگی۔ بادشاہ کے ساتھ جو سردار تھے ان کے ساتھ بھی خراب سلوک شروع کر دیا۔

ایک روز جب کہ بادشاہ اپنی بڑی بیٹی کے ہاں تھا ایک اجنبی آیا اور اس نے بادشاہ سے التجا کی کہ اسے اپنے پاس ملازم رکھ لے۔ بادشاہ اس وقت کھانے کے لیے بیٹھ رہا تھا۔ بادشاہ کو یہ اجنبی کچھ اچھا معلوم ہوا۔ لہٰذا اس نے کہا، "اچھا، تم ٹھیرو۔ کھانے کے بعد بھی اگر تم مجھ کو پسند آگئے تو پھر میں تم کو زندگی بھر اپنے ساتھ رکھوں گا۔" تھوڑی ہی دیر میں اس اجنبی کو اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کرنے کا موقع مِل گیا۔ گونورل کے ایک خادم نے بادشاہ سے بدتمیزی کی۔ بادشاہ جب اس پر بَرہم ہوا تو وہ ڈِھٹائی سے اُسے گھورنے لگا۔ اجنبی نے فوراً اس خادم کو اُٹھا کر پٹخ

دیا اور گھسیٹ کر کمرے کے باہر پھینک دیا۔

بادشاہ بڑا خوش ہوا۔ اس نے اجنبی کو کچھ رُپے دیے اور اپنے پاس ملازم

رکھ لیا۔ یہ اجنبی دراصل کینٹ کا نواب تھا جو نوکروں کا حلیہ بنا کر آ گیا تھا۔ حال آں کہ اسے بادشاہ نے جلا وطن کر دیا تھا، مگر اسے بادشاہ سے بے پناہ محبّت تھی، لہٰذا وہ اس کی خدمت کرنا چاہتا تھا۔ بادشاہ نے جب اس کا نام پوچھا تو اس نے اپنا نام "کے یَس" (CAIUS) بتا دیا۔

"کے یَس" کے علاوہ بادشاہ کا ایک اور بہی خواہ بھی تھا۔ وہ تھا شاہی مسخرہ۔ پرانے زمانے میں شاہی مسخرے مذاق ہی مذاق میں بڑے پتے کی باتیں کہہ جاتے تھے اور ہنسی ہنسی میں بادشاہ کو مشورے بھی دے جاتے تھے۔

گونورِل کا رویّہ اپنے باپ کے ساتھ روز بہ روز خراب ہوتا چلا گیا۔ وہ اپنی سرد مہری کے ذریعہ سے باپ کو اپنے محل سے بھگا دینا چاہتی تھی۔ وہ جب باپ کے سامنے آتی تو اس کی تیوریاں چڑھی رہتیں اور باپ سے کہتی کہ آپ کے سردار بد تمیز ہیں۔ بادشاہ سمجھ گیا کہ اس کی بیٹی اس پر حکومت جتانا چاہتی ہے۔ ایک روز اس نے اپنے باپ سے کہا کہ آپ کے نوکروں کی تعداد بہت زیادہ ہے، انھیں کم کیجیے۔ بادشاہ کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا وہ چلاّیا، "میرے سرداروں کو بلاؤ۔ اب میں ایک لمحے کے لیے بھی تمھارے ساتھ نہیں رہوں گا۔ میری ایک بیٹی ابھی باقی ہے۔ وہ خوشی خوشی میری خدمت کرے گی۔"

لیکن جب اس نے اپنے آدمیوں کو بلوایا تو پتا چلا کہ بیٹی کے حکم سے سو میں سے پچاس کو پہلے ہی بَرطرف کیا جا چکا ہے۔ اب بوڑھے بادشاہ کی سمجھ میں آگیا کہ اس کی یہ بیٹی کتنی جھوٹی اور ظالم ہے۔ اس نے بیٹی کو بد دُعا دی کہ اس کے کبھی اولاد نہ ہو اور اگر ہو تو وہ بھی اسے اسی طرح پریشان کرے۔ گونورِل کا شوہر یعنی نواب البانی اس وقت آ گیا۔ اس نے بادشاہ کے غصّے کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی مگر بادشاہ اب کوئی معذرت سننے کے لیے تیار نہ تھا، لہٰذا وہ اپنے آدمیوں کو لے کر دوسری بیٹی ریگن کے محل جانے کو تیار ہو گیا۔

بادشاہ نے روانگی سے پہلے "کے یَس" کے ہاتھ ریگن کو ایک خط روانہ کیا جس میں اپنے آنے کی اطلاع دی۔ کے یَس جب ریگن کے محل پہنچا تو اسے پتا چلا کہ

گونورِل نے بھی ریگن کو ایک خط روانہ کیا ہے۔ چناں چہ گونورِل کا خط پا کر ریگن اور اس کا شوہر فوراً اپنے محل کو چھوڑ کر گلوسٹر کے نواب کے قلعے چلے گئے۔ یہ جگہ کافی دُور تھی۔ کے یَس وہاں بھی پہنچ گیا اور بادشاہ کے خط کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔

اتفاق سے کے یَس جب وہاں پہنچا تو اس کی مُڈ بھیڑ اسی ملازم سے ہو گئی جس کو اس نے بدتمیزی کی وجہ سے پٹخ دیا تھا اور اُٹھا کر باہر پھینک دیا تھا۔ کے یَس نے سوچا کہ اس ملازم کو ریگن کے پاس اس لیے بھیجا گیا ہے کہ وہ بادشاہ کے ساتھ کوئی اور بدتمیزی کرے، لہٰذا کے یَس نے اس ملازم کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا اور لڑنے پر آمادہ ہو گیا، مگر ملازم نے لڑنے سے گُریز کیا۔ پھر بھی کے یَس نے اسے پیٹنا شروع کر دیا۔ اِسی موقع پر نواب کارنوال اور اس کی بیگم اپنے ملازموں کے ہمراہ آ پہنچے اور انھوں نے کے یَس کو ایک کوٹھری میں قید کر دیا۔ گلوسٹر کے نواب بھی موجود تھے۔ انھوں نے احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ بادشاہ کو اپنے ملازم کی گرفتاری سے رنج ہو گا، لیکن ریگن کو اپنے باپ کی ناراضگی سے زیادہ اپنی بہن کی خفگی کا خوف دَر پیش تھا، لہٰذا کے یَس قلعے کے سامنے جو کوٹھری تھی اس میں قید پڑا رہا۔

بادشاہ بھی کچھ دیر میں وہاں پہنچ گیا۔ اُس نے آتے ہی سب سے پہلے یہ دیکھا کہ اس کا ملازم گرفتار ہے۔ اپنے ملازم کی یہ دُرگت دیکھ کر بادشاہ کو بڑا غصّہ آیا اور وہ سیدھا اپنی بیٹی کو تلاش کرنے قلعے کے اندر چلا گیا۔ وہاں اس کو صِرف نواب گلوسٹر ملا۔ اس نے کہا کہ نواب کارنوال اور ان کی بیگم سفر کی تکان دُور کرنے کے لیے ابھی آرام کر رہے ہیں۔ اس لیے آپ سے ملاقات نہ ہو سکے گی۔ بادشاہ کو اس سے بڑا رنج ہوا۔ وہ سوچنے لگا کہ اس کی دوسری بیٹی بھی پہلی بیٹی ہی کی طرح ہے۔ آخر کار جب اس کی دوسری بیٹی اور اس کا شوہر بادشاہ کے سامنے آئے تو بادشاہ نے فوراً ان کو بتایا کہ بڑی بیٹی نے کیسی بدسلوکی کی، لیکن ریگن بھی اپنی بڑی بہن گونورِل کی طرح نالائق ثابت ہوئی۔ وہ بولی "آپ ذرا صبر سے کام لیں۔

میں یہ نہیں مانتی کہ میری بہن نے آپ کے ساتھ بدسلوکی کی ہوگی۔ اگر اس نے آپ کے آدمیوں کی غلطیوں کا تدارک کرنا چاہا تو اس میں کون سی خرابی ہو گئی۔" یہ سُن کر بادشاہ کو طیش آگیا۔ اس پر وہ بولی، "آپ دراصل اب سٹھیا گئے ہیں۔ آپ کو اب دوسروں کی عقل پر بھروسا کرنا چاہیے۔ جائیے میری بڑی بہن کے پاس اور یہ اعتراف کیجیے کہ آپ سے غلطی ہوئی۔"

بادشاہ بھلا اس توہین کو کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ اس نے برہم ہو کر کہا، "تم تو یہ چاہتی ہو کہ یہ کہوں کہ بیٹی، میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ مجھے معاف کر دو اور مجھے اپنے گھر میں پڑا رہنے دو۔" اس کے بعد بادشاہ نے پوچھا، "میرے ملازم کو کس نے گرفتار کیا ہے؟" مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ عین اسی وقت بڑی بیٹی گونورِل بھی آپہنچی۔ پہلے اس نے خط بھیجا تھا اور اس میں باپ کی برائیاں لکھی تھیں اور اب خود باپ کی پریشانی کا تماشا دیکھنے آگئی۔

گونورِل کو دیکھ کر ریگن نے باپ سے کہا، "جائیے، بہن کے گھر جائیے۔ میں آپ کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتی، کیوں کہ میں تو خود یہاں مہمان ہوں۔" لیکن بادشاہ گونورِل کے ہاں جانے کو ہرگز تیار نہ تھا۔ اس نے ریگن سے کہا، "میں اور میرے پچاس آدمی تمھارے ہاں رہیں گے۔" اس پر ریگن نے کہا، "میں تو پچیس آدمیوں سے زیادہ نہیں رکھ سکتی۔" پھر پوچھنے لگی، "آخر آپ کو اتنے آدمیوں کی ضرورت ہی کیا ہے۔ میرے ملازمین بھی تو آپ کی خدمت کر سکتے ہیں۔"

بے چارہ بوڑھا بادشاہ اس وقت اپنی دونوں بیٹیوں کے درمیان پریشان کھڑا تھا اور دونوں میں سے ایک بیٹی بھی اس کو اپنے پاس رکھنے کو تیار نہ تھی۔ بادشاہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ بیٹیوں کی بے وفائی اور بدتمیزی سے اس کا دِل ٹوٹ گیا اور اسے بے حد غصّہ آیا، لہٰذا اس نے جل کر بددُعا دی کہ انھیں ایک دن خدا کی طرف سے اس کی سزا ملے۔

عین اسی وقت طوفان شروع ہو گیا، لیکن اس کے باوجود بادشاہ قلعے کے باہر نکل آیا۔ دونوں بیٹیوں میں سے ایک نے بھی اسے روکنے کی کوشش نہ کی بلکہ

کہنے لگیں کہ جانے دو، انھیں اپنی حماقت کا خود ہی مزا مل جائے گا۔ اتنا کہہ کر انھوں نے قلعے کا پھاٹک بند کروا دیا۔ خود اندر چلی گئیں اور غم زدہ بوڑھے باپ کو باہر طوفان کی زد میں چھوڑ دیا۔

بادشاہ جس وقت باہر نکلا تو بارش شروع ہو چکی تھی اور اسی کے ساتھ بڑے زور کی آندھی بھی آئی ہوتی تھی۔ بادشاہ کے ساتھ صرف ایک وفادار خادم تھا اور وہ خادم تھا شاہی مسخرہ۔ بہرحال دونوں اُفتاں وخیزاں آگے بڑھتے چلے گئے۔ اسی حالت میں اُنھیں کے یس مل گیا، یعنی نواب کینٹ جس نے نوکر کا بھیس بنا رکھا تھا۔ بات یہ ہوتی تھی کہ کے یس قید سے فرار ہو کر بادشاہ کو تلاش کرنے

نکل پڑا تھا۔ راستے میں اسے ایک ٹوٹی ہوئی جھونپڑی دکھائی دی تھی۔ چناں چہ وہ بادشاہ کو اس جھونپڑی میں لے گیا اور بولا، "آپ یہاں ذرا آرام کر لیں اور میں آپ کی بیٹیوں کے پاس جاتا ہوں اور انھیں مجبور کرتا ہوں کہ وہ آپ کو پناہ دیں۔"

اس وقت تک بادشاہ بالکل حواس باختہ ہو چکا تھا۔ اسے اپنی بیٹیوں کی

بدسُلوکی سے اتنا دِلی صدمہ پہنچا تھا کہ بارش اور طوفان بھی اس کی نظروں میں کوئی وقعت نہیں رکھتا تھا۔ ادھر مسخرہ جب جھونپڑی میں داخل ہوا تو اسے کچھ دکھائی دے گیا۔ چناں چہ وہ "بھُوت! بھُوت!" چلاّتا ہوا باہر بھاگ نکلا۔ دراصل وہ کوئی بھُوت ووت نہ تھا، بلکہ ایک غریب فقیر تھا۔ یہ فقیر روتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا، "شیطان نے مجھے شعلوں میں جھونک دیا ہے۔" وہ اسی طرح کی اور بھی بکواس کرتا جاتا تھا۔ بادشاہ سمجھا کہ یہ غریب بھی اپنی بیٹیوں کا ستایا ہوا ہے۔ اس نے فقیر سے پوچھا، "کیا تم نے بھی اپنا سب کچھ اپنی دونوں بیٹیوں کو دے دیا؟"

ان لوگوں کو جھونپڑی میں آئے ہوئے ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ایک اور آدمی وہاں آگیا۔ یہ شخص نواب گلوسٹر تھا۔ وہ سب کے سامنے تو بادشاہ کی حمایت نہ کر سکا مگر جب اس نے یہ دیکھا کہ بادشاہ کو قلعے سے باہر نکال دیا گیا ہے تو اسے بڑی شرمندگی محسوس ہوئی وہ سوچنے لگا کہ میں اپنے بادشاہ کی یہ ذلّت برداشت نہیں کر سکتا اور پھر خود اپنے گھر میں! میرے قلعے میں بادشاہ میرا مہمان ہے۔ میرا فرض ہے کہ اسے یہاں لاؤں اور یوں در بدر کی خاک چھاننے کو نہ چھوڑ دوں، لہٰذا وہ بادشاہ کو تلاش کرنے روانہ ہو گیا اور قدموں کے نشانات دیکھتے دیکھتے وہ اس جھونپڑی تک پہنچ گیا ۔یہاں پہنچ کر وہ کیا دیکھتا ہے کہ بادشاہ ایک ملازم، ایک مسخرے اور ایک پاگل فقیر کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ نواب کو بڑا رنج ہوا۔ چناں چہ وہ کے یَس کی مدد سے بادشاہ کو اپنے ایک مکان میں لے گیا جو قلعے کے قریب ہی تھا۔

پھر اس مکان سے نواب کینٹ، بادشاہ کو اپنے قلعے میں لے گیا جو ڈوور میں تھا۔ یہ مقام انگلستان کے جنوب میں اور فرانس کے قریب ہے۔ فرانس میں بادشاہ کی سب سے چھوٹی بیٹی کارڈیلیا رہتی تھی۔ کینٹ کا نواب کے یَس کا بھیس اُتار کر سیدھا فرانس پہنچا۔ وہاں اس نے فرانس کی ملکہ یعنی کارڈیلیا کو بتایا کہ اس کا بوڑھا باپ کس مصیبت میں مبتلا ہو گیا ہے۔

چناں چہ کارڈیلیا نے اپنے شوہر یعنی بادشاہِ فرانس سے کہا کہ وہ شاہ لیئر کی

حمایت میں ایک فوج انگلستان روانہ کر دے اور وہ خود بھی اسی فوج کے ساتھ ڈوور پہنچ گئی۔

اِدھر ڈُوور میں بوڑھا بادشاہ حواس باختہ پڑا ہوا تھا۔ نواب کے ملازم اور معالجین اس کی دیکھ بھال کر رہے تھے، مگر اس کا دماغ ماؤف ہو چکا تھا۔ معالجوں نے اس وقت یہ مناسب نہ سمجھا کہ کارڈیلیا اپنے باپ سے ملے۔ بہر حال کچھ دنوں کے بعد بادشاہ کو دواؤں سے کچھ افاقہ ہو گیا اور پھر باپ بیٹی ایک دوسرے سے ملے۔

باپ کی خستہ حالی کو دیکھ کر کارڈیلیا رونے لگی۔ وہ اس کے گلے سے چمٹ گئی۔ شروع میں تو بادشاہ اسے پہچان نہ سکا۔ وہ یہ سمجھا کہ وہ مر چکا ہے اور کسی دوسری دنیا میں ہے جہاں کارڈیلیا کے بجائے کوئی روح اس کا مذاق اُڑا رہی ہے، لیکن رفتہ رفتہ اس کے حواس درست ہو گئے اور اس نے اپنی بیٹی کو پہچان لیا۔ بادشاہ کو اب یہ اندیشہ ہوا کہ کارڈیلیا کے دِل میں اس کے لیے کوئی جگہ نہ ہو گی، لیکن کارڈیلیا نے بادشاہ کی بدگمانی دُور کر دی۔ بادشاہ بولا "بیٹی! جو کچھ ہو چکا ہے اُسے بھول جاؤ اور مجھے معاف کر دو۔ میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں۔"

بادشاہ اور کارڈیلیا کی ملاقات ڈُوور میں ہوئی تھی۔ جہاں کارڈیلیا اپنی فوج لے کر آئی تھی۔ اس کی خبر جب نواب البانی اور نواب کارنوال کو ہوئی تو وہ اپنی اپنی فوجیں کو لے کر حملہ آور کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ ہو گئے۔ گونورل اور ریگن بھی اپنے اپنے شوہروں کے ساتھ روانہ ہو گئیں۔ اس کہانی کا اختتام تو یوں زیادہ اچھا رہتا کہ گونورل اور ریگن کی فوجوں کو شکست ہوتی اور فرانس کی فوج کو فتح، مگر اصلی زندگی میں نیکی کا صلہ ہمیشہ نہیں ملتا اور نہ بدی کی سزا ہمیشہ ملتی ہے۔ اس جنگ میں فرانسیسی فوج کو شکست ہوئی اور بادشاہ اور کارڈیلیا کو ایڈمنڈ نے گرفتار کر لیا۔ یہ ایڈمنڈ دراصل نواب گلوسٹر کا ایک بیٹا تھا۔

بوڑھا بادشاہ اب سمجھ چکا تھا کہ کارڈیلیا نے اس کے لیے کیا کچھ کر ڈالا ہے۔ اس لیے اب وہ اپنی اس بیٹی سے ایک لمحے کے لیے بھی علاحدہ رہنا نہیں چاہتا تھا، لیکن

قید خانے میں بھی باپ بیٹی زیادہ عرصے تک ساتھ نہ رہ سکے، کیوں کہ ایڈمنڈ خود انگلستان کا بادشاہ بننا چاہتا تھا، لہٰذا وہ بادشاہ کی بیٹی کارڈیلیا کو زندہ چھوڑنا نہیں چاہتا تھا، چناں چہ اس کے حکم سے کارڈیلیا کو مار ڈالا گیا، لیکن بوڑھے بادشاہ نے خود اپنے ہاتھوں سے بیٹی کے قاتل کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

پھر کچھ دیر تک وہ اپنی بیٹی کی لاش کے پاس دلِ شکستہ بیٹھا رہا اور رو رو کر کہتا رہا،" اب تم کبھی نہ آؤ گی ۔ کبھی نہیں ۔ کبھی نہیں ...." اور یہی کہتے کہتے وہ گر پڑا اور اس کی روح پرواز کر گئی۔

لیکن مرنے سے پہلے بادشاہ کو نواب کینٹ نے یہ خبر سُنادی تھی کہ اس کی دوسری دونوں بیٹیاں بھی مر چکی ہیں۔ ان دونوں نے اپنے باپ کے علاوہ اپنے شوہروں کے ساتھ بھی بے وفائی کی اور خود بھی آپس میں ایک دوسرے کی دشمن ہو گئیں۔ ایڈمنڈ نے بادشاہ بننے کی کوشش میں اِن دونوں پر ڈورے ڈالنا شروع کر دیے تھے۔ اسی زمانے میں ریگن کا شوہر یعنی نواب کارنوال مر گیا اور ریگن نے ایڈمنڈ سے شادی کرنے کا وعدہ کر لیا۔ اس پر جل کر گونرل نے اپنی بہن کو زہر دے کر مار ڈالا، مگر اسے بھی

اپنے کیے کی سزا مل گئی، کیوں کہ اس کے شوہر کو اس کی بے وفائی اور جرم کا پتا چل گیا اور اس نے اپنی بیوی کو قید میں ڈال دیا۔ وہاں غصّے اور مایوسی میں اس نے خود کشی کرلی۔

اس طرح سے انگلستان کا تخت نواب البانی کو مل گیا۔ اس کی بیوی نے اپنے باپ کے ساتھ جو بدسلوکی کی تھی وہ اسے پسند نہ تھی، مگر وہ کھل کر اس کی مخالفت بھی نہ کر سکا۔ ایڈمنڈ نے تخت پر قبضہ جمانے کے بعد جو سازش کی تھی وہ بھی ناکام رہی، کیوں کہ وہ بھی اپنے بڑے بھائی ایڈگر کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔

بہرحال نواب البانی نے جب انگلستان کے بادشاہ کی حیثیت سے نظم و نسق سنبھالا تو ملک میں پھر سے اُمن و امان ہو گیا۔ اس کام میں ایڈگر نے اس کی مدد کی جو اب گلوسٹر کا نواب بن گیا تھا۔ اس کے علاوہ نواب کینٹ نے بھی بے انتہا مدد کی۔

سب سے بڑا اور سب سے بڑی

□ دنیا کا سب سے بڑا حُقّہ جرمنی کے ایک عجائب گھر میں ہے۔ یہ حُقّہ انیسویں صدی میں تیار ہوا۔ اس کی لمبائی پندرہ فیٹ ہے۔ اس کی چلم میں تین پونڈ تمباکو بھرا جا سکتا ہے۔

□ دنیا میں سب سے بڑی چھپکلی مورو ڈریگون ہے، جس کی لمبائی ساڑھے تین میٹر ہے۔ یہ انڈونیشیا میں پائی جاتی ہے۔ اس کا وزن ۱۳۵ کلو گرام تک ہوتا ہے۔ یہ زمین پر رہتی ہے۔ سب سے حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ چھپکلی ہرن اور ریچھ جیسے تیز رفتار جانوروں کا شکار کرتی ہے۔

مرسلہ: ناصر بشیر راٹھور، ملتان

مُسکراتے رہو

● استاد: اتنی دیر سے کیوں آئے؟

شاگرد: جی میری نانی اماں کا انتقال ہو گیا۔

استاد بے خیالی میں بولے: "خبردار جو آئندہ ایسا ہوا۔"

مرسلہ: سجاد احمد صدیقی، ندا صدیقی، جیکب آباد

● ایک شخص کے گھر ایک پیٹو مہمان آیا اور سارا کھانا کھا گیا۔ گھر والے بھوکے رہ گئے۔ میزبان کا چھے سالہ بچّہ بھوک برداشت نہ کرسکا اور رونے لگا۔ اُس کی ماں نے اُس کو چُپ کراتے ہوئے کہا، "صبر کرو بیٹے، مہمان کو جانے دو، پھر ہم سب مل کر روئیں گے۔"

مرسلہ: گل خان نیازی، لانڈھی

● آوارہ کتّوں کے خلاف بلدیہ کی مہم زوروں پر تھی۔ جمیل صاحب اپنے کتّے کو ٹہلانے کے لیے نکلے تو ایک پولیس والے نے انھیں روک لیا اور کہا، "کیا آپ نے کتّے کا لائسنس بنوا لیا ہے؟"

جمیل صاحب نے جواب دیا، "نہیں، اس نے ابھی ڈرائیونگ نہیں سیکھی ہے۔"

مرسلہ: بشیر احمد، پنڈی گھیپ

● ایک دوست نے دوسرے دوست سے پوچھا، کوئی ایسا آسان طریقہ بتاؤ کہ لوگ مجھے ہمیشہ یاد رکھیں۔

دوسرے دوست نے جواب دیا، تم کسی سے قرض لے کر کھا جاؤ، پھر ہمیشہ کے لیے یاد رکھے جاؤ گے۔

مرسلہ: کاشف احتشام، کراچی

● باپ: بیٹا، تم کلاس میں کون سے نمبر پر آئے ہو؟

بیٹا: ابا جان، اگر کلاس میں اور لڑکے نہ ہوتے تو میں اوّل آتا۔ مرسلہ: فضل ربی راہی، مینگورہ سوات

● ایک دوست نے دوسرے سے کہا، مجھے پچاس رُپے ادھار دیجیے۔

دوسرے نے کہا، میرے پاس صرف چالیس رُپے ہیں۔

پہلے نے کہا، لائیے چالیس رُپے ہی دے دیجیے، دس رُپے آپ کے ذمہ اُدھار رہے۔

مرسلہ: غلام فاروق لغاری، سانگھڑ

● ایک بھکاری ایک گھر سے سالن اور روٹیاں لے کر نکل رہا تھا کہ گھر کا مالک آگیا۔ بھکاری نے اسے دعائیں دے کر کہا، "آپ کی بیگم نے اپنے ہاتھ کی روٹیاں اور سالن دیا ہے، اللہ آپ کی آمدنی دگنی کرے۔"

مالک نے جلدی سے جواب دیا،

"ذرا ٹھیرو، ہاضمے کی گولیاں بھی ساتھ لیتے جاؤ۔"

مرسلہ: سید الرحمٰن، کراچی

● ایک راہ گیر دوسرے راہ گیر سے، "تمھارا جوتا آواز کیوں دیتا ہے۔ کیا چوری کا ہے؟"

دوسرا راہ گیر، "اگر یہ بات ہوتی تو میرے کوٹ اور پتلون بھی آواز دیتے۔"

مرسلہ: خان محمد صدیقی

● ایک قیدی بیمار ہوا تو اس کی مزاج پرسی کے لیے جیلر آیا اور پوچھا، "سناؤ بھئی، کیسے ہو؟"

قیدی بولا، "جناب، پہلے ٹانگ میں درد تھا، جو ڈاکٹر نے کاٹ دی۔ پھر ہاتھ میں درد ہوا، وہ بھی کاٹ دیا۔ اب کان میں درد ہے، یقیناً اسے بھی کاٹ دیں گے۔"

جیلر آنکھیں نکالتے ہوئے بولا، "اچھا! تو تم آہستہ آہستہ جیل سے فرار ہو رہے ہو۔"

مرسلہ: شیخ محمد ندیم، کراچی

● استاد: (اپنے ننھے مُنّے شاگرد سے) آپ میرے لیے کیا دُعا مانگتے ہیں؟

شاگرد: (معصومیت سے) میں دعا مانگتا ہوں کہ ماسٹر جی، اللہ کو پیارے ہو جائیں۔

مرسلہ: انیسہ نور محمد، سکھر

● ایک صاحب کسی سے ملنے گئے۔ دروازہ کھٹکھٹایا تو نوکرانی باہر نکلی اور بولی،

"اگر آپ میاں صاحب ہیں تو صاحب کسی سے ملنے گئے ہیں۔ اگر آپ رانا صاحب ہیں تو صاحب امریکا گئے ہوئے ہیں۔ اور اگر آپ اسلم صاحب ہیں تو صاحب گھر پر ہیں۔"

مرسلہ: اطہر ندیم زخمی، اٹک

● دو شہری آپس میں باتیں کرتے ہوئے ایک سڑک پر جا رہے تھے کہ اچانک ایک دیہاتی ان کے درمیان چلنے لگا۔ ان میں سے ایک شہری نے ازراہِ مذاق دیہاتی سے پوچھا، "کیوں بھئی! تم احمق ہو یا بے وقوف؟"

دیہاتی نے بڑی معصومیت سے جواب دیا،

"دونوں کے بیچ میں ہوں۔"

● مریض: "ڈاکٹر صاحب، آپ کی توجہ اور علاج سے آخر میں اچھا ہو ہی گیا۔" ڈاکٹر: "بچانے والا تو اللہ تعالیٰ ہے۔ میری کیا ہستی ہے۔"

مریض، "یہ بات ہے تو آپ نے مجھے لمبا چوڑا بل کیوں بھیجا۔"

مرسلہ: سید شہاب، کراچی

چیمپین پاکستان

چیمپین ٹرافی نہ لے سکا

ہاکی کی دنیا میں جو بڑے مقابلے ہوتے ہیں، ان میں سب سے بڑا مقابلہ اولمپک میں ہوتا ہے، جس میں دنیا میں ہاکی کھیلنے والی تقریباً تمام بڑی ٹیمیں حصّہ لیتی ہیں۔ اولمپک کھیلوں کے بعد ایشیائی کھیلوں کا نمبر آتا ہے، جس میں ہاکی کھیلنے والے تمام ایشیائی ممالک حصّہ لیتے ہیں۔ پھر ورلڈ کپ کا نمبر آتا ہے، جس میں ہاکی کھیلنے والی دنیا کی بیش تر ممتاز ٹیمیں حصّہ لیتی ہیں۔ اس کے بعد ہاکی کھیلنے والی دنیا کی چھے سب سے بڑی ٹیمیں آپس میں ایک

پاکستان ہاکی ٹیم کے لیفٹ اِن حنیف خان ہالینڈ کے خلاف گول کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

مقابلہ کرتی ہیں، جو "چیمپین ٹرافی ہاکی ٹورنامنٹ" کہلاتا ہے۔ اس کی اہمیت یہ ہے کہ چوں کہ دنیا کی چیمپین ٹیمیں ایک دوسرے کے مقابلے پر اُترتی ہیں اس لیے یہ ان کے لیے عزت اور وقار کا مسئلہ ہوتا ہے۔

اب تک ان کے چھے مقابلے ہو چکے ہیں، جن میں سے پانچ پاکستان میں اور ایک ہالینڈ میں ہوا ہے۔ پی آئی اے ان مقابلوں کو منعقد کرتی ہے، لہٰذا یہ پی آئی اے چیمپین ٹرافی ہاکی ٹورنامنٹ کہلاتا ہے۔ چھٹی پی آئی اے چیمپین ٹرافی پچھلے مہینے ۶ سے ۱۴ دسمبر ۱۹۸۴ء تک کراچی کے ہاکی کلب اوف پاکستان اسٹیڈیم میں کھیلی گئی۔ جو بات اِن مقابلوں کو ہاکی کے دوسرے ٹورنامنٹوں سے الگ کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ چیمپین ٹرافی میں کوارٹر فائنل، سیمی فائنل اور فائنل نہیں ہوتے، بلکہ دنیا کی چھے بڑی ٹیمیں اتحاد (لیگ) کی بنیاد پر ایک دوسرے سے مقابلہ کرتی ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ٹیم کے لیے دوسری تمام ٹیموں سے کھیلنا لازمی ہوتا ہے۔ میچ جیتنے پر دو پوائنٹ اور برابر کھیلنے پر ایک پوائنٹ ملتا ہے۔ ہارنے کی صورت میں کوئی پوائنٹ نہیں ملتا۔ جو ٹیم سب سے زیادہ میچ جیتتی ہے اور سب سے زیادہ پوائنٹ حاصل کرتی ہے، وہ فاتح قرار پاتی ہے۔

چیمپین ٹرافی کرانے کا خیال سب سے پہلے پاکستان ہاکی فیڈریشن کے سابق سربراہ ایئر مارشل (رِٹائرڈ) نور خان کے ذہن میں آیا تھا۔ انھوں نے یہ تجویز انٹرنیشنل ہاکی فیڈریشن (ایف آئی ایچ) کو پیش کی اور اس نے ۳۱ مارچ ۱۹۷۸ء کو یہ تجویز منظور کرلی۔ پہلی چیمپین ٹرافی دسمبر ۱۹۷۸ء میں لاہور میں ہوئی اور پاکستان نے جیتی۔ دوسری چیمپین ٹرافی ۱۹۸۰ء میں کراچی میں ہوئی، یہ بھی پاکستان نے جیتی۔ تیسری چیمپین ٹرافی ۱۹۸۱ء میں کراچی میں ہوئی۔ یہ ٹرافی ہالینڈ نے جیتی تو اُسے بھی یہ مقابلے کرانے کا خیال آیا۔ اس طرح چوتھی چیمپین ٹرافی ۱۹۸۲ء میں ایمسٹرڈم میں ہوئی، جس میں میزبان ملک ہالینڈ نے کامیابی حاصل کی۔ پانچویں چیمپین ٹرافی ۱۹۸۳ء میں پھر پی آئی اے کے زیرِ اہتمام کراچی کے ہاکی کلب اوف پاکستان اسٹیڈیم میں کھیلی گئی اور پاکستان نے جیتی۔

چھٹی پی آئی اے چیمپین ٹرافی کراچی میں ۶۔ دسمبر سے ۱۴۔ دسمبر ۸۴ء تک کھیلی گئی۔ اس سال مغربی جرمنی اور بھارت کی ٹیمیں کھیلنے نہیں آئیں اور مقابلہ پاکستان، اوسٹریلیا،

پاکستانی ہاکی ٹیم کے سینٹر فارورڈ حسن سردار اسپین کے خلاف گول کر رہے ہیں۔

ہالینڈ، نیوزی لینڈ، برطانیہ اور اسپین کی ٹیموں کے درمیان ہوا۔ ہر ٹیم نے پانچ پانچ میچ کھیلے۔ آخری میچ پاکستان اور اوسٹریلیا کے درمیان کھیلا گیا۔ چوں کہ دونوں کے پوائنٹس برابر تھے۔ اس لیے یہ میچ فائنل کی شکل اختیار کر گیا۔ اس وقت تک دنیا کی ان دونوں بڑی ٹیموں نے چار چار میچ کھیلے تھے۔ دونوں نے تین تین میچ جیتے اور ایک میچ برابر رہا۔ پاکستانی ٹیم کا کھیل ہالینڈ سے اور اوسٹریلیا کی ٹیم کا نیوزی لینڈ سے برابر رہا۔

اس طرح جب دونوں ٹیمیں ہاکی کلب آف پاکستان اسٹیڈیم کے ہرے بھرے اسٹروٹرف (مصنوعی گھاس سے تیار کیا ہوا میدان) پر کھیلنے اُتریں تو دونوں کے سات سات پوائنٹس تھے۔ بہت جلد یہ احساس ہو گیا کہ اوسٹریلوی ٹیم بہت جم کر کھیل رہی ہے۔ اس کے برعکس پاکستانی ٹیم اُکھڑی اُکھڑی سی ہے۔ کپتان منظور جونیئر، جن کے سُسر کا اُسی رات انتقال ہوا تھا اور جو راتوں رات لاہور سے ہو کر آ گئے تھے، اپنی روایت کے مطابق اچھا کھیل نہیں کھیل سکے۔ کچھ ہی دیر بعد وہ میدان سے باہر چلے گئے۔ اُن کی جگہ اُن کے بھائی مقصود حسین

کھیلنے آئے۔

منظور جونیئر کی غیر موجودگی میں لیفٹ اِن حنیف خان کو کپتان بنایا گیا۔ حنیف جب سے اپنا رِٹائرمنٹ ختم کر کے قومی ہاکی ٹیم میں واپس آئے ہیں پہلے سے بھی اچھا کھیل رہے ہیں، مگر فائنل میں وہ بھی اچھے کھیل کا مظاہرہ نہ کر سکے۔ اس طرح فائنل میں پاکستانی ٹیم اوسٹریلیا سے دو گول سے ہار گئی۔ پاکستان اس وقت اولمپک چیمپین ہے، ایشیائی چیمپین ہے، ورلڈ کپ چیمپین ہے، مگر چیمپین ٹرافی جیت کر عالمی تمغوں کی تعداد مکمل کرنے کی پاکستان کی تمنّا پوری نہیں ہو سکی۔ اوسٹریلیا نے پاکستان کے خلاف بہت اچھے کھیل کا مظاہرہ کیا۔ اس کی ٹیم اس کام یابی کی مستحق تھی۔

اب یہ طے پایا ہے کہ چیمپین ٹرافی، جو پاکستان میں ہوتی رہی ہے، دنیا کے ہاکی چیمپین ملکوں میں باری باری ہو گی۔ ساتویں چیمپین ٹرافی آئندہ سال پرتھ (اوسٹریلیا) میں کھیلی جائے گی۔ اب تک یہ ٹرافی مسلسل دو دو مرتبہ بالترتیب پاکستان، ہالینڈ، اور اوسٹریلیا نے جیتی ہے۔ اوسٹریلیا کو اگلے سال تیسری مرتبہ مسلسل "چیمپینوں کا چیمپین" بننے سے روکنے کے لیے پاکستانی کھلاڑیوں کو بہت محنت اور زبردست تیاری کرنی ہو گی۔

آپ اور آپ کا دوست

اچھے بچے کوئی اچھی چیز پا لیتے ہیں تو اپنے ساتھیوں اور دوستوں کو بھی بتاتے ہیں۔ ہمدرد نونہال اچھے بچّوں کا رسالہ ہے۔ آپ اچھے بچّے ہیں۔ آپ اپنے دوستوں اور ساتھیوں سے بھی ہمدرد نونہال کا تعارف کرائیے۔ آپ اُن کو بتائیے کہ وہ خوب صورت رسالہ ہمدرد نونہال خریدا کریں اور پڑھا کریں۔ اس طرح اچھی اچھی باتیں پھیلیں گی۔ اگر آپ کے کہنے سے کوئی ایک دوست بھی ہمدرد نونہال خریدلے تو ہمیں اس کا اور اپنا نام اور پتا لکھ دیجیے تاکہ ہم اس خوشی میں آپ کو اور آپ کے دوست کو "خبر نامہ ہمدرد" بلاقیمت بھیج سکیں جو ایک باتصویر معلوماتی رسالہ ہے۔

خط میں صرف یہ لکھیے کہ میرے جس دوست نے ہمدرد نونہال بازار سے خریدا اس کا اور اپنا پتا لکھ رہا ہوں۔ ہم دونوں کو "خبر نامہ ہمدرد" بھیج دیجیے۔ اس خط میں کوئی اور بات نہ لکھیے۔ آپ کارڈ بھی لکھ سکتے ہیں، لیکن پتے صاف لکھیے۔ شکریہ

نونہال ادیب

حمد

مرسلہ: وقاص سعید بنازی، راول پنڈی

خدا ہے ایک تنہا بس وہی پوجا کے لائق ہے
وہی آقا، وہی مولا، وہی ہر اک پہ فائق ہے
نہیں ہے کوئی ساجھی اور شریک اُس کا وہ ہے یکتا
وہ اپنے علم اور قدرت میں ہے بے مثل، بے ہمتا
وہی ہے ظاہر و باطن، وہی ہے اوّل و آخر
ہمیشہ سے وہی موجود ہے قیوم اور قادر
ہے اس کی شان برتر، صاحب علم بصیرت ہے
کسی کو کچھ نہیں معلوم، کیا اس کی حقیقت ہے
نہ کھاتا ہے نہ پیتا بیٹھتا ہے وہ، نہ اٹھتا ہے
نہ سونا چاہتا ہے وہ نہ چلتا ہے، نہ تھکتا ہے
وہی جبّار ہے، قہار ہے، مالک ہے، خالق ہے
جلاتا مارتا ہے وہ، وہی ہر اک کا رازق ہے

نعت

مرسلہ: صادق راہی، مخدوم پور

زمانہ در زمانہ ضوفشاں ہیں
محمدؐ داستاں در داستاں ہیں
بہ ظاہر خاک ساماں، خاک پیکر
بہ باطن نور و نکہت کا جہاں ہیں
نظر بھر کر نبیؐ کو کون دیکھے
ابھی چہروں پہ وہ آنکھیں کہاں ہیں
کبھی بادل کبھی سورج کی چھتری
تری رحمت کے کیا کیا سائباں ہیں
یہ رستہ ہے ترا یا کہکشاں ہے
یہ تارے ہیں کہ قدموں کے نشاں ہیں
ابھی پہنچا نہیں روضے پہ اُن کے
ابھی راہی کے سجدے رائیگاں ہیں

علم کی عظمت

موتی لال ہاسیجا، سکھر

خدا نے انسان کو بہت سی نعمتیں عطا کی ہیں، اُن میں علم ایک بڑی نعمت ہے۔ علم کے بغیر انسان صحیح طریقے سے زندگی نہیں گزار سکتا۔ جس کے پاس صرف فن ہے اور علم نہیں ہے اُس کی کوئی قدر نہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک بڑھئی نے ایک بہت بڑا اور خوب صورت صندوق تیار کیا اور بادشاہ کو تحفے کے طور پر دینے لگا۔ بادشاہ ابھی صندوق دیکھ ہی رہا تھا کہ ایک عالم بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے عالم کو دیکھتے ہی صندوق کو وہیں چھوڑ کر اس کا کھڑے ہو کر استقبال کیا۔ بڑھئی نے سوچا کہ ہُنر سے زیادہ علم کی قدر ہے۔

علم وہ خزانہ ہے جسے جتنا خرچ کیا جاتا ہے وہ اتنا ہی بڑھتا ہے۔ کسی دولت مند کے پاس کتنی ہی دولت کیوں نہ ہو، وہ ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گی، مگر علم کی دولت کبھی ختم نہیں ہوتی۔ علم حاصل کر کے ہی قائداعظم محمد علی جناح، علامہ اقبال، سرسید احمد خاں، مولانا محمد علی جوہر اور لیاقت علی خاں بڑے لوگ بنے۔ سورج روز طلوع ہوتا ہے اور شام کو غروب ہو جاتا ہے مگر علم کا سورج ہر وقت چمکتا رہتا ہے، کبھی غروب نہیں ہوتا۔ جب تک انسان اس روئے زمین پر زندہ ہے علم زندہ رہے گا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کسی شہر میں دو بھائی رہتے تھے۔ ایک دولت کا پجاری تھا تو دوسرا علم کا طالب۔ علم کے طلب گار بھائی نے بہت علم حاصل کیا، میلوں سفر کیا، بڑے بڑے علما سے فیض حاصل کیا۔ آخر لوگ اُسے عالم کہہ کر پکارنے لگے۔ دوسرے بھائی نے بہت دولت کمائی اور امیر کہلوانے لگا۔ ایک دفعہ دونوں بھائیوں کی ملاقات ہوئی۔ دولت مند بھائی نے عالم بھائی کو دیکھ کر کہا کہ مجھے تمھاری حالت دیکھ کر افسوس ہوا۔ اس لیے کہ تم نے اپنی زندگی برباد کر دی اور ایک پیسہ بھی جمع نہیں کیا، جو تمھارے آڑے وقت میں کام آتا۔ اس پر عالم بھائی نے مسکرا کر جواب دیا "بھائی، میں نے بہت سا خزانہ جمع کیا ہے۔ یہ علم کا خزانہ ہے۔ اس خزانے کو کسی کا خطرہ نہیں ہے، اس کو میں جتنا خرچ کروں گا یہ اتنا ہی بڑھتا رہے گا اور کبھی ختم نہیں ہوگا۔"

اسلام نے بھی ہم کو علم حاصل کرنے کی تلقین کی ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ علم حاصل کرو جھولے سے لے کر قبر تک۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "علم حاصل کرو چاہے اس کے لیے چین ہی کیوں نہ جانا پڑے۔" دنیا کی ترقی یافتہ قوموں نے یہ درجہ علم سے ہی حاصل کیا ہے۔

امن سر بلند رہے

محمد وصی الدین قریشی، ٹنڈو محمد خان

ہم روز اخبار میں یہ خبریں پڑھتے ہیں کہ بڑی

طاقتیں خطرناک سے خطرناک ہتھیار بنا رہی ہیں اور ترقی کرنے والے ممالک اور غیر ترقی یافتہ ملک یہ اَسلحہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

آخر اسلحہ کے یہ انبار کس لیے لگائے جا رہے ہیں؟ ان خطرناک ہتھیاروں کا نشانہ کون بنیں گے؟ جنگ کسی بھی علاقے میں ہو اور کسی کے درمیان ہو، ہر طرف لاکھوں بے گناہ انسان مارے جاتے ہیں۔ عمارتیں، گھربار، اسکول اور عبادت گاہیں تباہ ہو جاتی ہیں، ملکوں کی ترقی رُک جاتی ہے اور بھوک، افلاس اور بیماریوں کے لیے راستہ کُھل جاتا ہے۔

آج جنگی تیاریوں پر جس قدر رُپیہ خرچ ہو رہا ہے اگر اس کا دسواں حصّہ بھی علاج معالجے کے لیے صَرف کیا جائے تو دنیا سے بیماریوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے، اسکولوں پر خرچ کیا جائے تو دنیا سے جہالت کا خاتمہ ہو جائے، خوراک پر خرچ ہو تو دنیا سے بھوک کا نام و نشان مٹ جائے۔

ہم غریب ملکوں کے بچّوں کو اسکولوں، ہسپتالوں اور اچھی خوراک اور لباس کی ضرورت ہے۔ گولیوں، بموں، طیّاروں اور میزائلوں کی نہیں۔

امن ہم غریب ملکوں بلکہ پوری دنیا کی ضرورت ہے۔ آئیے ہم سب مل کر کوشش کریں کہ دنیا میں امن قائم ہو۔

ماں

مرسلہ: طیبہ خاتون، کراچی

پیاری ماں مجھ کو تیری دعا چاہیے
تیرے آنچل کی ٹھنڈی ہوا چاہیے
لوریاں دے کے مجھ کو سُلاتی ہے تُو
مسکرا کر سویرے جگاتی ہے تُو
اور اس کے سوا مجھ کو کیا چاہیے
تیرے پیروں کے نیچے ہے جنت مری
تیری خدمت میں پوشیدہ عظمت مری
تیرے پیروں کی خاکِ شفا چاہیے
پیاری ماں مجھ کو تیری دُعا چاہیے
تیرے آنچل کی ٹھنڈی ہوا چاہیے

اُجالا

شبانہ مجید، حیدرآباد

"ٹن ..... ٹن ..... ٹن"، گھنٹی کی آواز نے گھنٹہ ختم ہونے کا اعلان کیا۔ کلاس میں بیٹھے ہوئے طالب علموں میں کچھ ہل چل پیدا ہو گئی۔ پیچھے بیٹھے ہوئے اکثر طالب علموں نے اپنی کاپیاں اور قلم بند کر دیے اور کلاس میں دبی دبی سرگوشیاں اُبھرنے لگیں۔ بورڈ کے قریب کھڑے ہوئے استاد نے طالب علموں کو ایک نظر دیکھا اور جلدی جلدی اپنے سبق کا اختتام

کیا اور کلاس سے باہر نکل گئے۔ کچھ طلبہ تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے اور کچھ ویسے ہی بیٹھے رہے۔ استاد کے جاتے ہی پوری کلاس میں شور مچ گیا۔ چند طالب علم پڑھائے ہوئے سبق کو دوبارہ دیکھنے لگے، کچھ انگڑائیاں لینے لگے اور کچھ طالب علم باتوں میں مشغول ہو گئے۔

کلاس کے مانیٹر شابی نے جلدی سے ڈیسک سے اُٹھ کر طلبہ کو خاموش کرانے کی کوشش کی، لیکن کسی نے اس کی جانب توجہ نہ دی۔ شابی نے جلدی سے کلاس کا دروازہ بند کیا، تاکہ دوسری کلاس کی پڑھائی میں خلل نہ پڑے اور میز کے نزدیک آ کر ڈسٹر سے میز بجانے لگا۔ جب تمام طالب علم اس کی طرف متوجہ ہو گئے تو شابی نے اپنی قمیص کے کالر درست کیے اور نہایت فخر سے کہا، "ہم یعنی شابی نہایت مسرت کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ حساب کے استاد آج نو دو گیارہ ہو گئے ہیں اور یہ گھنٹہ ہمارا خالی ہو گا۔" شابی کی بات سُن کر پوری کلاس میں شور مچ گیا۔ بعض طالب علموں نے تو خوشی کے مارے ڈیسکیں بجانی شروع کر دیں۔ شابی کے اس اندازِ گفت گو پر عثمان کو بڑا غصّہ آیا۔ ریاضی کے استاد بھی آخر استاد ہیں اور استاد کے لیے یہ الفاظ زیب نہیں دیتے۔ عثمان نے اپنے لہجے کو حتی الامکان نرم بناتے ہوئے شابی سے کہا، "استاد کے بارے میں یہ اندازِ گفت گو آپ کو زیب نہیں دیتا۔" شابی نے غصّے سے جواب دیا، "اوہو.... بڑے آئے سر کے چمچے، تم ہوتے کون ہو ہمیں منع کرنے والے۔ ہمارا جو دل چاہے گا ہم کہیں گے۔"

عثمان اُس کی بات سُن کر خاموش ہو رہا اور دل میں سوچا کہ کبھی نہ کبھی تو اس کو اپنی غلطی کا احساس ہو گا۔ استاد کا رتبہ ماں باپ سے بھی بڑا ہوتا ہے، کیوں کہ ماں باپ ہماری جسمانی نشوونما کا خیال رکھتے ہیں جب کہ استاد ہماری ذہنی تربیت کے ذمّے دار ہوتے ہیں۔ وہ ہمیں دنیا میں باوقار طریقے سے رہنے کے اصول بتاتے ہیں۔ ہم اگر اپنے استاد کے لیے نازیبا الفاظ استعمال کریں گے یا انھیں خراب ناموں سے پکاریں گے تو یہ اسی طرح ہو گا جیسے ہم اپنے والدین کے لیے غلط الفاظ استعمال کریں۔ ہم جب تک ان کا ادب واحترام نہیں کریں گے، ہم علم کی گہرائیوں کو نہیں جان سکیں گے۔ آج کل ہر طالب علم اسی راہ پر چل پڑا ہے۔" اب کیا کیا جائے، ان لوگوں کو کس طرح سمجھایا جائے۔ خیر، خدا بہتر کرے گا۔" عثمان نے کتابیں سمیٹتے ہوئے سوچا۔

دوسرے دن کلاس میں حساب کے گھنٹے میں جب ماسٹر صاحب آئے تو انھوں نے مسکراتے ہوئے بچّوں سے پوچھا کہ کل تو آپ یقیناً خوش ہوئے ہوں گے، کیوں کہ ہم نہیں آئے تھے۔ پوری کلاس

میں خاموشی چھا گئی۔ شابی اور دوسرے طالب علم کافی شرمندہ نظر آرہے تھے۔ عثمان نے جب یہ دیکھا تو جلدی سے بات بنائی کہ نہیں جناب ایسی کوئی بات نہیں۔ ماسٹر صاحب نے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ بچّوں کو سمجھانا شروع کیا: "دیکھیے بچّو علم ایک روشنی ہے اور اس روشنی کو آپ تک پہنچانے کا فریضہ ہمارے ذمّے ہے۔ اب یہ آپ کا کام ہے کہ آپ اس روشنی کو کتنا کام میں لاتے ہیں اور اس سے کتنے نئے دیے جلاتے ہیں، لیکن یہ بات بھی یاد رکھیں کہ اس روشنی کو حاصل کرنے کے لیے آپ کو پہلے ادب و احترام کی سیڑھی پر چڑھنا ہوگا اس کے بعد محنت کی، تب آپ اس روشنی کو حاصل کرسکیں گے۔ امید ہے آپ میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے۔"

تمام طالب علموں نے گردن ہلائی اور شابی کا سَر شرم سے جُھک گیا۔

گھنٹہ ختم ہونے کے بعد شابی سیدھا عثمان کے پاس آیا اور اُس سے اپنے کل کے رویّے کی معافی مانگی اور آئندہ اساتذہ کی عزّت و احترام کا یقین دِلایا۔ عثمان نے شابی کو گلے لگالیا اور کچھ سوچ کر مسکرادیا۔ شابی نے اُس کے مسکرانے کی وجہ پوچھی تو عثمان نے جواب دیا، "میں نے علم کی روشنی سے ایک دِیا جلا لیا ہے۔"

"اور ہم ایک دیے سے بہت سے دیے روشن کریں گے۔" شابی نے عثمان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے پُرعزم لہجے میں کہا اور ایسا لگا جیسے واقعی کلاس میں اُجالا بڑھ گیا ہے۔

عقل مند بچّے

کشور سلطانہ، کراچی

ستمبر ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں امیروں کے بچّوں نے بھی کام کیا اور غریبوں کے بچّوں نے بھی۔ یوں تو یہ کام ہزاروں بچّوں نے مِل کر کیا، لیکن ہم اُن میں سے دو تین کا حال آپ کو بتاتے ہیں:

ایک بچّے کی عمر گیارہ سال تھی۔ اس کے ماں باپ اتنے غریب تھے کہ وہ لوگوں کے جوتوں پر پالش کرتا اور اس طرح کچھ پیسے کماتا۔ اپنی کمائی کا تھوڑا سا حصّہ وہ ماں باپ کو دیتا اور باقی اپنی پڑھائی پر خرچ کرتا۔ جنگ کے زمانے میں اس نے اپنی محنت سے کمائے ہوئے پیسوں میں سے جو بچائے تھے، ان سے اس نے سگرٹ کی کچھ ڈبیاں، صابن کی چند ٹکیاں اور پالش کی ڈبیاں خریدیں اور خوشی خوشی جاکر انھیں دفاعی فنڈ میں جمع کردیا۔

دو بچّے ایک دن ایک اخبار کے دفتر میں پہنچے۔ ان میں سے ایک کا نام عرفان اور دوسرے کا شہزاد تھا۔ دونوں کے ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے پارسل تھے۔ کسی نے پوچھا، "بچّو! تمھارے ہاتھ میں کیا ہے؟"

انھوں نے کہا، "فوجی بھائیوں کے لیے تحفے۔" ان سے پوچھا گیا، "تحفوں کے لیے تمھارے پاس پیسے کہاں سے آئے؟" عرفان نے کہا،

"ابا نے مجھے پیسے دیے تھے کہ میں اپنی قمیص کا کپڑا خرید لاؤں۔ میں نے قمیص کا کپڑا نہیں خریدا، تحفے خرید لیے۔"

ننھے شہزاد سے پوچھا گیا کہ "بیٹے، تمھیں پیسے کہاں سے ملے؟" شہزاد نے کہا، "میں نے قرآن شریف ختم کیا تو ابا نے مجھے انعام میں پانچ رُپے دیے تھے۔ میں نے اُن رُپوں کے تحفے خرید لیے۔ یہ آپ ہمارے فوجی بھائیوں کے پاس بھیج دیجیے۔"

ہمارا پرچم

مرسلہ: محبوب عالم شاہین، ہارون آباد

پرچم ہے یہ پیارا پیارا
سب سے انوکھا سب سے نیارا
چمکے اس میں چاند ستارا
دل کی ٹھنڈک آنکھ کا تارا
دنیا پہ لہرائے گا یہ
اپنی شان دکھائے گا یہ
قوم کی آن بڑھائے گا یہ
عالم شوق سے گائے گا یہ
دل کی ٹھنڈک آنکھ کا تارا
پرچم ہے یہ پیارا پیارا

استاد

مرسلہ: مریم سعادت، ٹیکسلا

استاد کے لفظی معنی اپنے فن میں کامل ہونا کے ہیں۔ تعلیمی میدان میں اُستاد اسے کہتے ہیں، جو بچّوں کو تعلیم و تربیت دیتا ہے اور انھیں معاشرے کا قابلِ احترام فرد بناتا ہے۔

معاشرے میں استاد کا کردار بہت اہم ہے۔ استاد کا اصل کام اس وقت شروع ہوتا ہے جب بچّے کو تربیت کی غرض سے مکتب بھیجا جاتا ہے۔ بچّہ والدین کی ایک امانت ہوتا ہے، جس کو استاد کے حوالے کیا جاتا ہے تاکہ وہ اس کی بہترین صلاحیتوں کو اُجاگر کرکے معاشرے کا بہترین شہری بنا دے۔ اُستاد اُنھیں خود شناسی کی دولت سے مالامال کرتا ہے اور فرائض کی ادائی کے قابل بناتا ہے۔ یوں وہ افراد کی تربیت کرکے قوم کی تعمیر کرتا ہے۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملّت کے مقدر کا ستارہ

استاد کو وہی حیثیت حاصل ہے جو انسانی جسم میں دل کو۔ اس کے بغیر تو مدرسہ ایک بے جان چیز ہے۔ استاد تو مدرسے کی جان ہوتا ہے۔

"زمین و آسمان کی ہر چیز استاد کی احسان مند اور شکر گزار ہے اور اس کے لیے دعائے خیر کرتی ہے۔"

دنیا کی یہ ساری رونق، یہ نظم و ضبط، یہ رنگینیاں صرف اور صرف استاد کی بہ دولت ہیں ؎

قوم اک گلشن ہے جس کا باغباں استاد ہے
جس کے دم سے یہ چمن رنگین ہے آباد ہے

استاد کا دل شفقت سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ اس طرح معاشرہ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کر سکتا ہے۔ ہمیں ان استادوں کی عزت کرنی چاہیے جن کی وجہ سے دنیا آج بلند مقام پر کھڑی ہے۔

غالب — شاعری کا عظیم مینار

سید قمر عباس، میرپور خاص

شاعری ہر زبان کا ایک لازمی جزو ہے۔ دنیا کی ہر زبان میں مختلف ادوار میں مختلف شعرا نے نام پیدا کیا۔ ہماری قومی زبان اردو میں جن شاعروں نے بلند مقامات حاصل کیے اُن میں نمایاں ترین نام آگرے کے نام وَر سپوت "مرزا اسد اللہ خاں غالب" کا ہے۔

غالب کا پورا نام مرزا اسد اللہ خاں تھا۔ شاعری کے شروع میں غالب نے اسد بھی تخلص کیا جس کا ثبوت ان کا مشہورِ عالم شعر ہے ؎

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسد
سنگ اٹھایا تھا کہ سَر یاد آیا

غالب نے ۱۷۹۷ء میں آگرے کے ایک متمول گھرانے میں جنم لیا۔ ان کے آباؤ اجداد ترکستان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے دادا نے ہندُستان ہجرت کی اور یہیں غالب کے والد نے آنکھ کھولی۔ غالب کا بچپن آگرے میں ہی گزرا۔ انھوں نے مختلف علوم پر دسترس حاصل کی۔ غالب کے بزرگ فوج سے تعلق رکھتے تھے۔ نوجوانی ہی میں آگرہ میں امراؤ بیگم سے مرزا کی شادی ہو گئی۔ مرزا لڑکپن میں دلّی آئے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔ غالب نے اردو سے زیادہ فارسی میں شاعری کی۔ ابتدا میں غالب نے اردو شاعری میں دقیق اور ثقیل الفاظ کا استعمال بہ کثرت کیا، مگر بعد میں یہ روش ترک کر دی۔ بہادر شاہ ظفر، آخری مغل تاجدار کے دربار سے غالب ابتدا میں مورخ اور بعد میں استادِ شاہ کی حیثیت سے وابستہ رہے۔ مغلیہ سلطنت اس زمانے میں آخری دموں پر تھی۔ ۱۸۵۷ء میں اس نے آخری ہچکی لی اور دَم توڑ دیا۔ غالب نے دہلی کی تباہی کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ وہ بہت دل برداشتہ ہوئے۔ ان حالات میں نواب یوسف علی خان والیِ رام پور نے غالب کی سرپرستی کی اور انھیں اپنا استاد مقرر کیا۔

غالب کا اندازِ بیان منفرد ہے۔ انھوں نے اردو شاعری کو ایک نیا رنگ عطا کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بعد آنے والے شاعروں نے جو اندازِ بیان پایا ہے وہ کسی نہ کسی حد تک مرزا کے اندازِ بیان سے متاثر ہے۔ آپ نے شاعری کو تکلفات

کے جال سے نکال کر شوخی اور مذاق کے ساتھ ساتھ بے تکلفی کا روپ دیا۔

مرزا غالب ایک صاحبِ طرز نثر نگار بھی تھے۔ ان کی نثر نگاری کی خوبی کا اندازہ ان کے تحریر شدہ خطوں سے ہو سکتا ہے۔

غالب کے اردو دیوان میں غزلیں، رباعیاں، قطعات اور قصائد شامل ہیں۔ ان کا اردو دیوان بہت مختصر ہے۔ غالب کے خطوط کے جو مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ ان میں اردوئے معلّٰی اور عودِ ہندی خاص طور پر شہرت کے حامل ہیں۔

غالب اردو کے علاوہ فارسی کے عظیم المرتبت شاعر اور صاحبِ طرز نثر نگار بھی ہیں۔

غالب آخری عمر میں خاصے پریشان رہے، مگر خاندانی رئیس ہونے کے باعث خود داری سے زندگی بسر کی۔ غالب ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء کو ۷۲ برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ آپ نظام الدین اولیا کی درگاہ واقع دہلی کے قریب دفن کیے گئے۔

اخلاق

مرسلہ: شیر زادہ جیکسن، کراچی

اپنے اخلاق کو بلند کرو
خود کو دنیا میں ارجمند کرو
سوچ کر تم اگر زباں کھولو
پہلے ایک ایک بات کو تولو
بَل جبیں پر کبھی نہ آنے پائے
خوش دلی ہاتھ سے نہ جانے پائے
کوئی تم سے جو راستہ پوچھے
ہچکچاؤ نہ راہ نمائی سے
کوئی چاہے مدد جو مشکل میں
پیار سے اُس کے گھر کرو دل میں
دوسروں کے جو کام آتے ہیں
وہ زمانے میں نام پاتے ہیں
دوسروں کی مدد کروگے اگر
مہرباں ہوگا خالقِ اکبر

خرگوش اور مینڈک

عائشہ خالد، کراچی

بہت عرصے پہلے کی بات ہے کہ جنگل میں ایک خرگوش اور ایک مینڈک رہتا تھا۔ دونوں میں خوب دوستی تھی۔ حتیٰ کہ دونوں ایک دوسرے پر جان نثار کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ خرگوش تو دن بھر جنگل میں پھرتا اور گانا گاتا رہتا اور مینڈک کو جب گرمی لگتی تو وہ پانی میں گھس جاتا اور خوب نہاتا۔ اس نے مچھلیوں سے بھی دوستی کر رکھی تھی۔ ایک دن خرگوش نے مینڈک کی دعوت کی اور خوب چیزیں پکائیں اور وہ خوب بن سنور کر اور دُم میں کنگھا کر کے مینڈک کا انتظار کرنے لگا۔ مینڈک بھی خوب بن سنور کر آیا، لیکن خرگوش جیسی اس میں

خوب صورتی کہاں۔ دونوں نے خوب گپیں ہانکیں اور مزے سے بیٹھ کر کھانا کھایا۔ کھانا کھانے کے بعد مینڈک نے خرگوش سے کہا، "خرگوش بھائی آپ کو اللہ نے کتنی خوب صورتی دے رکھی ہے کہ آپ کی گول گول آنکھیں کتنی اچھی ہیں۔ رات کو تو اس طرح چمکتی ہیں جیسے یاقوت ہو اور آپ کا ملائم اور سفید رواں تو ایسا لگتا ہے جیسے پہاڑ پر سفید سفید برف جمی ہوئی ہو۔"

یہ سُن کر خرگوش بہت خوش ہوا۔ اب وہ جنگل میں نکلتا تو کنگھی کر کے نکلتا، لیکن اس کے دل میں کبھی غرور پیدا نہیں ہوا۔ مینڈک گھر جاکر سوچتا رہا کہ اللہ نے اس کو اتنا بدصورت کیوں بنایا ہے اور وہ خرگوش کی طرح سفید اور نرم روئیں والا جانور کیوں نہیں ہے۔ وہ دل میں سوچتا، "اللہ میاں، کیا میں ہی بدصورتی کے لیے رہ گیا تھا، تُو کسی اور کو بدصورت بنا دیتا۔"

مینڈک یہ سوچتے سوچتے سو گیا۔ وہ روز رات کو سوتے وقت یہی سوچتا۔ ایک روز صبح کو وہ جب ناشتا کر کے باہر نکلا تو اُسے معلوم ہوا کہ اُس کے دوست خرگوش کو شکاری پکڑ کر لے گئے ہیں۔ خرگوش اپنی خوب صورتی کی وجہ سے مارا گیا۔ مینڈک نے اسی وقت اللہ کے حضور میں توبہ کی۔ اب اسے معلوم ہوا کہ اللہ جو چیز بناتا ہے صحیح بناتا ہے۔

دِل چسپ پیش گوئیاں

اظہر حسن بخمی، رینالہ خورد

(۱) اس سال کئی کنوارے شادی شدہ ہونے کی کوشش کریں گے، جب کہ کئی شادی شدہ کنوارے ہونے کی سعی اور کوشش کریں گے۔ دونوں صورتوں میں پچھتادے کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔

(۲) اس سال ہم سب کی عمروں میں اضافہ ہوجائے گا ہم میں خواتین بھی شامل ہیں، تاہم بعض خواتین حسبِ معمول اپنی سابقہ عمروں کے ساتھ قائم و دائم رہیں گی۔

(۳) اس سال بھی تیسری جنگ کا کوئی خطرہ نہیں، تاہم بعض گھروں میں میاں بیوی کے درمیان خصوصاً مہینے کے آخری دنوں میں جنگِ عظیم جاری و ساری ہوگی، جس سے بچّے اور ہمسائے خوش و خرم رہیں گے۔

چڑیا

مرسلہ: نعیم کمال حمید، دوحہ قطر

چھوٹی سی وہ چڑیا ہے

ننھی منّی پیاری سی

گیت سہانے گاتی ہے
روز یہاں وہ آتی ہے
دانا چُن کر جاتی ہے
سب کو وہ بھلاتی ہے
صبح سویرے آتی ہے
اچھے گیت سناتی ہے

دہی اور ہم

ہارون عیسیٰ، کراچی

عید گزرے دو تین دن ہی ہوئے تھے۔ ہم اپنی پھوپی کے گھر عید کی چھٹیاں گزارنے گئے ہوئے تھے۔ اس دوران ہم گھر کے چھوٹے موٹے کام بھی کر دیا کرتے تھے۔ ایک دن اپنے پھوپی زاد بھائی کے ساتھ بازار سے کچھ سودا سلف لینے نکلے۔ سودے کا پرچہ ہاتھ میں تھا۔ جب خاصی چیزیں لے لیں تو پرچے میں دیکھا کہ کوئی چیز رہ تو نہیں گئی۔ صرف دہی لینا باقی رہ گیا تھا۔ برتن ہم پھوپی کے کہنے کے باوجود ساتھ نہیں لائے تھے، کیوں کہ جس دُکان پر ہم دہی لینے جا رہے تھے وہاں تھیلیوں میں بھی دہی مل جاتا تھا۔ چار رُپے کا آدھا کیلو دہی ہم نے تھیلی میں لیا اور گھر کی طرف چل پڑے۔ جب گھر نزدیک آ گیا تو ہم نے دوڑ لگانا شروع کر دی۔ پھوپی کا گھر دوسری منزل پر تھا، اس لیے سیڑھیاں چڑھنے کا مرحلہ ابھی باقی تھا۔ میری کوشش تھی کہ پہلے میں پہنچوں اور میرے پھوپی زاد بھائی کی کوشش تھی کہ پہلے وہ پہنچے۔ آگے ہم تھے اور پیچھے وہ۔ دہی کی تھیلی بھی ہمارے ہاتھ میں تھی۔ جب دو تین سیڑھیاں باقی رہ گئیں تو ہمارے پھوپی زاد بھائی نے ہمیں گرانے کی کوشش میں اپنی ٹانگ ہماری ٹانگوں میں پھنسا دی اور ہم منھ کے بل گر پڑے۔ تھیلی ہمارے ہاتھ سے چھُوٹ کر نیچے گری اور پھٹ گئی۔ ہمارے پھوپی زاد بھائی نے کہا، "الماری میں جو عیدی کے پیسے رکھے ہوئے ہیں جلدی سے اُن میں سے چار رُپے لے آؤ، تاکہ ہم دوبارہ دہی خرید کر پھوپی جان کو دے دیں، ورنہ انھیں اپنے کارنامے کا حال سُنانا پڑے گا۔" پھر وہ خود جلدی سے گیا اور پیسے لے آیا۔ ہم پھر دہی والے کے پاس گئے اور اُسے اپنے کارنامے کی تفصیل بتانے کے بعد دوبارہ دہی خریدا۔ اگر یہیں ہماری کارگزاری کا اختتام ہو جاتا تو یہ کہانی لکھنے کی ضرورت پیش نہ آتی، لیکن ابھی کچھ اور ہونا باقی تھا۔ اس مرتبہ بھی ہم دوڑ لگانے سے باز نہیں آئے۔ اب کی بار دہی کی تھیلی ہمارے پھوپی زاد بھائی کے ہاتھ میں تھی اس لیے ہم بے فکر تھے۔ ابھی ہم فٹ پاتھ پر چڑھ رہے تھے کہ پھوپی زاد بھائی نے دوڑنا شروع کر دیا۔ وہ جاوید میاں داد کے انداز میں تھیلی کو گیند کی طرح ہاتھ میں لیے زبردست بولنگ کے انداز میں دوڑ رہا تھا کہ اس کا پاؤں

پتھر سے لگا اور وہ منھ کے بل گر پڑا۔ اس بار بھی دہی کی تھیلی زمین پر گرتے ہی پھٹ گئی۔ ہمیں ہنسی آرہی تھی کہ یہ کیسا اتفاق ہے کہ ایک ہی دن میں ہم نے دو مرتبہ دہی کی دو تھیلیاں برباد کر دیں۔ ہم پھر دہی والے کے پاس گئے اور اُسے دوسری بار پوری تفصیل سُنائی۔ وہ بے چارہ یہ سمجھ رہا کہ ہم اس سے مذاق کر رہے ہیں۔ آخر ہم نے اس سے کہا کہ اب ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں، تم ہمیں دہی اُدھار دے دو، ہم بعد میں آکر تمھیں پیسے دے جائیں گے۔ وہ بے چارہ بھی کوئی شریف آدمی تھا اور شاید ہمارے پھوپی زاد بھائی کو جانتا بھی تھا، اس لیے اُس نے ہمیں چار رُپے کا دہی اور دے دیا۔

اس مرتبہ ہمارے سَر سے دوڑ لگانے کا بھوت اُتر چکا تھا۔ اس بار ہم بہت احتیاط سے دہی لے کر گھر پہنچے اور شکر ادا کیا کہ دہی گرانے کی "ہیٹ ٹرک" نہیں ہوئی۔ اپنی عیدی میں سے چار رُپے مزید نکال کر ہم دہی والے کو دے آئے۔ اب ہم جب بھی دہی کھاتے ہیں تو یہ واقعہ ضرور یاد آتا ہے اور ہم سوچ سوچ کر ہنستے ہیں۔

سچ

مرسلہ: سمیرا عالم بھٹی، کراچی

سچ کہو! سچ کہو ہمیشہ سچ
ہے بھلے مانسوں کا پیشہ سچ
سچ کہو گے تو تم رہو گے عزیز
سچ تو یہ ہے کہ سچ ہے اچھی چیز
سچ کہو گے تو تم رہو گے شاد
فکر سے پاک رنج سے آزاد
سچ کہو گے تو تم رہو گے دلیر
جیسے ڈرتا نہیں دلاور شیر
سچ سے رہتی ہے تقویت دل کو
سہل کرتا ہے سخت مشکل کو
جس کو سچ بولنے کی عادت ہے
وہ بڑا نیک باسعادت ہے
سچ ہے سارے معاملوں کی جان
سچ سے رہتا ہے دل کو اطمینان
سچ سے راحت ہے اور آسانی
سچ سے ہوتی نہیں پشیمانی
سچ ہے دنیا میں نیکیوں کی جڑ
سچ نہ ہو تو جہان جائے اُجڑ

بھیڑیے کا انجام

صفیہ ہادی، کراچی

کسی جنگل میں ایک بھیڑ رہتی تھی۔ جس کے تین پیارے پیارے بچے تھے۔ سب سے بڑے بچے کا نام بلیکی تھا، کیوں کہ یہ کالے رنگ کا تھا۔ اس سے چھوٹے کا نام براؤنی تھا، کیوں کہ یہ براؤن رنگ کا تھا اور سب سے چھوٹے بچے کا نام وائٹی

تھا جو سفید رنگ کا تھا۔ بلیکی اور براؤنی بے حد شریر تھے۔ ہر وقت شرارتیں کرتے رہتے تھے۔ وائٹی بہت سیدھا سادہ سا تھا۔ جب یہ تینوں بچّے ذرا بڑے ہوئے تو ان کی ماں نے ان سے کہا کہ اب تمھیں اپنے مکان خود بنانے پڑیں گے، کیوں کہ میں اب بہت بوڑھی ہو گئی ہوں۔ تینوں بچّوں نے کہا کہ اچھا ہم اپنے گھر خود ہی بنا لیں گے۔ اس کے بعد تینوں اپنے گھر بنانے کی فکر میں لگ گئے۔ سب سے پہلے بلیکی نے اپنا گھر بنایا۔ اس نے جنگل سے لکڑیاں اکھٹی کیں اور لے کر جانے لگا تو ایک بھیڑیا آگیا اور کہنے لگا کہ "یہ تم کیا کر رہے ہو؟"

بلیکی نے جواب دیا کہ "میں اپنا گھر بنا رہا ہوں۔" بھیڑیا بولا "اچھا، تم اس میں سے آدھی لکڑیاں مجھے دو۔" بلیکی نے انکار کر دیا جس پر بھیڑیے کو غصّہ آگیا اور اس نے کہا کہ ٹھیک ہے، میں تمھارا گھر توڑ دوں گا۔ بلیکی نے اس کی بات پر کوئی توجہ نہ دی اور اپنا گھر بنانے لگا۔ رات تک اس کا گھر بن گیا اور وہ اپنے گھر میں آرام سے سو گیا۔ رات کو بھیڑیا آیا اور اس نے بلیکی کا گھر توڑ دیا۔ صبح وہ اٹھا تو اس کا گھر ٹوٹا پڑا تھا۔ دوسرے دن براؤنی نے بھی اپنا گھر بنایا اور بھیڑیے نے اسے بھی توڑ دیا۔ وائٹی کو بھی پتا چل گیا تھا کہ بھیڑیے نے ان دونوں کے گھر توڑ دیے ہیں۔ وہ سوچنے لگا کہ مجھے ایسا گھر بنانا چاہیے کہ جسے بھیڑیا توڑ نہ سکے۔ پھر اس نے سوچا کہ مجھے اینٹوں کا گھر بنانا چاہیے اور اس نے بہت ساری اینٹیں بنائیں اور سوکھنے کا انتظار کرنے لگا۔

اتنے میں بھیڑیا آگیا اور کہنے لگا کہ "یہ تم کیا کر رہے ہو؟" وائٹی نے جواب دیا کہ میں اپنا گھر بنانے کے لیے اینٹیں بنا رہا ہوں۔ بھیڑیے نے کہا کہ مجھے بھی اینٹیں دو، لیکن وائٹی نے انکار کر دیا۔ بھیڑیے نے کہا اچھا میں تمھارا گھر بھی توڑ دوں گا۔ شام تک اس نے اپنا گھر بنا لیا۔ اس نے خوب مضبوط دروازے اور کھڑکیاں بنائیں تاکہ بھیڑیا اندر نہ آسکے۔ اس نے چمنی کے نیچے کھولتے ہوئے پانی کا ٹب رکھ دیا تاکہ اگر بھیڑیا ادھر سے آئے تو اس میں گر جائے۔ اس کے بعد وائٹی آرام سے سو گیا۔ رات کے وقت بھیڑیا آیا اس نے دروازوں اور کھڑکیوں پر خوب مکّے مارے لیکن وہ نہیں ٹوٹے تو اس کی نظر چمنی پر پڑی۔ وہ فوراً چھلانگ لگا کر چمنی پر چڑھ گیا اور نیچے گرم پانی کے ٹب میں گر گیا اور مر گیا۔ صبح جب وائٹی اٹھا تو بھیڑیا مُردہ پڑا ہوا تھا۔ وائٹی نے اُسے اُٹھا کر باہر پھینک دیا اور اپنے دونوں بھائیوں بلیکی اور براؤنی کو بھی اپنے گھر میں بُلا لیا اور تینوں خوشی خوشی رہنے لگے۔

(انگریزی سے ترجمہ)

*

دنیا

مرسلہ: غلام ربّانی، کراچی

کل کی امیدوار ہے دنیا
عالم انتظار ہے دنیا
حسرتوں کا مزار ہے دنیا
کارواں کا غبار ہے دنیا
زندگی نام رکھ دیا کس نے
موت کا انتظار ہے دنیا
ایک جھونکے میں اس طرف سے اُدھر
چار دن کی بہار ہے دنیا

مصنوعی سیّارے

سعید احمد، لودھراں

رات کو اچانک آسمان پر مصنوعی سیّارہ اُڑتے ہوئے دیکھا تو سلمٰی پہلے تو کچھ دیر خاموش رہی پھر اپنے بھائی سے مخاطب ہو کر کہنے لگی،

"بھائی جان، یہ مصنوعی سیّارے خلا میں کس طرح قائم رہتے ہیں وہ زمین پر گر کیوں نہیں پڑتے؟"

بھائی جان نے کہا، "کوئی بھی چیز زمین کی سطح سے اوپر ساکن حالت میں معلّق نہیں رہ سکتی۔ زمین کی کشش جسے کششِ ثقل کہتے ہیں، اسے اپنی طرف کھینچ لیتی ہے، لیکن اگر اس میں حرکت پیدا کر دی جائے تو وہ زمین پر گرنے کے بجائے فضا میں گھومتی رہے گی یا دوڑتی نظر آئے گی۔ مثلاً ہوائی جہاز کو لیجیے۔ ہوا سے بھاری ہونے کے باوجود وہ زمین پر نہیں گرتا، کیوں کہ وہ حرکت کر رہا ہوتا ہے۔ اگر ہوائی جہاز کا ایندھن ختم ہو جائے یا انجن کسی خرابی کی وجہ سے کام کرنا بند کر دے تو کششِ ثقل کے باعث وہ سیدھا زمین پر گرے گا۔"

سلمٰی نے پوچھا، "بھائی جان، یہ حرکت کتنی تیز ہونی چاہیے؟"

"حرکت اتنی تیز ہونی چاہیے کہ اس سے جو قوت پیدا ہو وہ کششِ ثقل کو زائل کر دے۔" بھائی جان نے بتایا۔

سلمٰی نے کہا، "کششِ ثقل کو زائل کرنے کے لیے کتنی تیزی درکار ہوتی ہے؟"

"سائنس دانوں نے اندازہ لگایا ہے کہ اگر مصنوعی سیّارے کی رفتار تقریباً انتیس ہزار کیلو میٹر فی گھنٹہ ہو گی تو اس سے پیدا ہونے والی قوت سے کششِ ثقل زائل ہو جائے گی اور وہ مصنوعی سیّارہ زمین کے گرد گردش کرنے لگے گا۔"

"بھائی جان، مصنوعی سیّارے کو خلا میں کس طرح چھوڑا جاتا ہے؟" سلمٰی نے پھر پوچھا۔

"اس کو خلا میں چھوڑنے کے لیے بہت طاقت ور راکٹ استعمال کیے جاتے ہیں۔ تم نے آتش بازی بنانے والوں کو ہوائی چھوڑتے ہوئے دیکھا ہو گا۔ یہ ہوائی

کیا ہوتی ہے جانتی ہو؟ آتش بازی بنانے والے بانس یا کسی لکڑی کی چھوٹی سی چھڑی کے ایک سرے پر کاغذ کی پڑیا لگا کر اُس میں بارُود بھر دیتے ہیں اور نیچے ایک فلیتہ لگا دیتے ہیں۔ جب اس فلیتے کو آگ دکھاتے ہیں تو ہوائی شوں کرتی ہوئی ہوا میں غائب ہو جاتی ہے۔ راکٹ اس ہوائی کی مانند ہوتا ہے۔ اس میں اتنا ایندھن ہوتا ہے جو اُسے مقررہ بلندی تک پہنچا دیتا ہے اور ایندھن ختم ہونے تک مصنوعی سیارہ مطلوبہ بلندی پر اٹھائیس انتیس ہزار کیلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار حاصل کر کے زمین کے گرد گردش کرنے لگتا ہے۔"

سلمٰی نے دریافت کیا، "آخر انسان کو خلا میں مصنوعی سیارہ چھوڑنے کی کیا ضرورت ہے؟"

بھائی جان نے کہا، "مصنوعی سیارے حقیقت میں خلائی تجربہ گاہیں ہیں۔ اُن میں مختلف قسم کے آلات نصب ہوتے ہیں جن کے ذریعے سے سائنس داں خلا کے بارے میں مختلف طرح کی معلومات حاصل کرتے ہیں۔"

"کس قسم کی معلومات؟" سلمٰی نے پوچھا۔

"سیاروں میں لگے ہوئے کیمروں کے ذریعے سے خلا سے زمین کی مختلف قسم کی تصویریں حاصل کی جاتی ہیں۔ ان تصویروں سے طوفانوں، درجہ حرارت، ہوا کا دباؤ اور بادلوں کی نقل و حرکت کا پتا لگایا جاتا ہے۔" بھائی جان بولے۔

"لیکن بھائی جان، کیا یہ معلومات اس سے پہلے سائنس دانوں کو بالکل حاصل نہ تھیں؟"

بھائی جان نے کہا، "تھیں تو، مگر ایک حد تک اس لیے کہ زمین پر موجود رصد گاہوں اور اُن میں نصب دُور بینوں کے ذریعے سے دُور دراز ستاروں کا مطالعہ کرنے میں بڑی دِقت پیش آتی تھی۔"

"کیوں پیش آتی تھی یہ دِقت؟" سلمٰی نے پھر پوچھا۔

"وہ یوں کہ گرد و غبار اور ہوا اُن کو زیادہ دُور تک دیکھنے نہیں دیتی تھی لہٰذا سائنس دانوں نے دُور دراز ستاروں کے مطالعے کے لیے مصنوعی سیاروں کی صورت میں کئی رصد گاہیں خلا میں چھوڑ رکھی ہیں۔"

"کیا ان سیاروں میں لگی ہوئی دُور بینیں بھی مختلف قسم کی ہیں؟"

"ہاں میری بہن، ان سیاروں میں ریڈیائی دُور بینیں ہوتی ہیں۔ پھر چوں کہ یہ مصنوعی سیارے فضا میں نہیں، بلکہ خلا میں ہوتے ہیں اور خلا میں ہوا نہیں ہوتی لہٰذا گرد و غبار بھی نہیں ہوتا، اس لیے یہ دُور بینیں خلا میں بہت دُور تک چیزوں کا مشاہدہ کر لیتی ہیں۔ اس طرح ان کی مدد سے ستاروں کے متعلق بہت سی اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ اِنھی سیاروں سے معلومات حاصل کر کے انسان نے خلا کی تسخیر کا فخر حاصل کیا ہے اور چاند پر چہل قدمی کی ہے۔" بھائی جان نے تفصیل سے سمجھایا۔

"کیا سب مصنوعی سیارے ایک ہی جیسے ہوتے ہیں؟" سلمیٰ بول پڑی۔

"نہیں، یہ مختلف قسم کے ہوتے ہیں اور سائنس داں اُن سے مختلف قسم کے کام لیتے ہیں ان میں سب سے زیادہ دل چسپ اور مفید مواصلاتی سیارے ہیں۔ جن کے ذریعے سے ہم اپنے گھر بیٹھے عالمی شہرت کے مکّے بازوں کے مقابلے، ہاکی اور کرکٹ کے میچ اور اپنے ملکی رہنماؤں کے غیر ملکی دوروں کے پروگرام اپنے ٹیلے ویژن سیٹ پر مزے سے دیکھ لیتے ہیں۔ مواصلاتی سیاروں کے ذریعے سے پوری دنیا نے خلائی پروازوں کے منظر دیکھے۔ انسان کو خلا میں چہل قدمی کرتے اور چاند پر اُترتے دیکھا۔

"بھائی جان، ان مواصلاتی سیاروں سے کیا کام لیا جاتا ہے؟

"ان سے جہاز رانی میں رہنمائی حاصل کی جاتی ہے، ان میں لگے ہوئے آلات سمندری جہازوں کا قبل از وقت پتا دے دیتے ہیں اور جہاز طوفانوں کی زد میں آنے سے بچ جاتے ہیں۔ مصنوعی سیاروں کے ذریعے سے جو تحقیقات ہوئی ہے اس سے مختلف انسانی بیماریوں کے علاج کے لیے کوششیں کی جا رہی ہیں۔

"مصنوعی سیاروں میں کبھی کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی؟"

"ہوتی کیوں نہیں، اسی لیے تو اب سائنس دانوں نے خلائی اسٹیشن تعمیر کرنے کے منصوبے بنائے ہیں۔ ان میں بیٹھ کر سائنس داں تجربات کریں گے۔ خرابی پیدا ہونے کی صورت میں خلائی ورکشاپ کی مدد سے مصنوعی سیاروں کی خلا ہی میں مرمت کر کے انھیں دوبارہ کام میں لایا جا سکے گا۔

خدمتِ خلق

فریدہ محمد قاسم، کراچی

ہر شخص چاہے وہ امیر ہو یا غریب، اُس کے زندہ رہنے کا کچھ نہ کچھ مقصد ضرور ہوتا ہے۔ جس شخص کے سامنے کوئی منزلِ مقصود نہیں ہوتی وہ اس جہاز کی مانند ہے جسے اپنی منزل کا پتا نہ ہو اور ایسا جہاز ہمیشہ طوفان اور سمندر کی سرکش لہروں کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ ضروری ہے کہ انسان کا مقصد نیک اور بلند ہو اور اس کے لیے تعلیم یافتہ ہونا بھی ضروری ہے، کیوں کہ انسان تعلیم کے ذریعے سے ہی اچھے بُرے کی تمیز کر سکتا ہے۔

طالب علمی کے زمانے میں ہر انسان کے دل میں کوئی نہ کوئی جذبہ ضرور ہوتا ہے مثلاً کسی کا ارادہ ڈاکٹر بننے کا، کسی کا انجینئر یا کسی کا ارادہ کسی اور شعبے سے وابستہ ہونا ہوتا ہے، لیکن ان سب میں مشترک جذبہ "خدمتِ خلق" ہے۔ لیکن جس انسان نے خود اپنے آپ کو دیکھنا شروع کیا خود اپنی خدمت کرنی شروع کر دی وہ سربلندی اور سرفرازی سے محروم

ہو گیا۔ صحیح خدمت گار وہ ہے جو اپنے ذاتی مقاصد سے ہٹ کر دوسروں کی خدمت کرے۔ خدمت خلق کو ہمارے مذہب میں بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اسلام میں انسانوں کی خدمت کو عبادت کا درجہ حاصل ہے۔ حقوق العباد یعنی انسانوں کے حقوق ادا کرنے پر بہت زور دیا گیا ہے۔ ایک صحیح اسلامی ریاست حقیقی معنوں میں ایک فلاحی ریاست ہوتی ہے۔ شہریوں کی بنیادی ضروریات پورا کرنا ریاست کی ذمے داری ہوتی ہے۔

خدمتِ خلق کے مختلف میدان ہیں، مثلاً ایسا اسکول قائم کرنا جس میں نادار بچّوں کو مفت یا رعایتی فیس لے کر اچھی تعلیم دی جائے، ہسپتال کھولنا جہاں غریبوں کی امداد کی جائے، معذوروں کی مدد اور مشورے کے لیے ادارے قائم کرنا۔ اس کے علاوہ اپنی برادری کی خدمت کرنا، اپنے علاقے میں تعلیمی، سماجی اور مذہبی ضروریات کو پورا کرنا اور علاقے میں صحت، صفائی، پانی اور دیگر سہولتیں فراہم کرنا۔ آپس کے باہمی اختلافات کو دُور کرنا۔ اس کے علاوہ برادری کے دیگر مسائل حل کرنا، ان کے دُکھ درد دُور کرنا، یتیم بچّوں کی امداد اور اُن معصوم بچّوں کو معاشرے کا ایک کارآمد اور پُراعتماد شہری بنانا بھی ہماری ذمے داریوں میں شامل ہے۔ تاریخ کو پڑھنے سے، ہمیں کتنی ہی ایسی بے شمار شخصیتیں ملتی ہیں جنھوں نے خدمتِ خلق کی عظیم مثالیں قائم کی ہیں۔ ان میں قائدِ اعظم، سر سید احمد خاں، علی برادران اور مصطفےٰ کمال پاشا جیسے نام سرِ فہرست ہیں۔ اُن کا نام تاریخ میں آج بھی اُن کے شان دار کارناموں کی وجہ سے سنہرے حرفوں سے لکھا جاتا ہے۔ انھوں نے اس سرزمین کو بڑی جدوجہد سے اور کتنی ہی قربانیاں دے کر حاصل کیا ہے۔ مخلوق کی خدمت کرنا انسانی اخلاق کا نہایت اعلا جوہر ہے۔ جو انسان مخلوق کی خدمت کرتا ہے وہ معاشرے میں بلند مرتبہ پاتا ہے اور آنے والے لوگوں کے لیے ایک شان دار مثال قائم ہوتی ہے۔

یہی ہے عبادت، یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

اپریل فول

راشدہ منصور، نواب شاہ

یہ ۱۹۷۹ء کا واقعہ ہے۔ جب ہم اپنے ماموں کی شادی میں لاہور گئے ہوئے تھے۔ ۳۱ مارچ کا دن تھا، میں اور میری چچازاد بہن عائشہ دونوں اُکتا رہے تھے۔ اچانک ہمیں خیال آیا کہ کل اپریل کی پہلی تاریخ ہے، کیوں نہ اپنی دوسری چچازاد بہن کو بے وقوف بنایا جائے۔ بس ہم نے عائشہ سے مشورہ کیا اور اسے فون کر ڈالا کہ "کل ماموں اپنی شادی کی خوشی میں ہمیں ٹریٹ دے رہے ہیں اور فلم دکھانے کے لیے جا رہے ہیں، تم کل ضرور آنا۔" وہ فوراً تیار ہو گئی۔ خیر ہم نے فون پر

بڑی مشکل سے اپنی ہنسی روک کے رکھی اور فون بند کر کے ہم ماموں کو بتانے لگے کہ وہ کل جب یہاں آئے گی تو اس کا خوب مذاق اُڑائیں گے۔

ماموں اُس دن خوش گوار موڈ میں تھے۔ کہنے لگے، "ٹھیک ہے۔ میں واقعی کل تمھیں فلم دکھاؤں گا۔"
اب تو میں اور عائشہ بہت خوش ہوئے۔ ہم نے کہا کہ اب اپنی دوسری کزن سے بالکل ذکر نہیں کریں گے ورنہ الٹا وہ ہمارا ہی مذاق اُڑائے گی۔

اگلے دن ہماری کزن نے فون کیا کہ میں آج نہیں آسکتی، اس لیے تم لوگ خود ہی فلم دیکھنے چلے جانا۔ جب ہم فلم دیکھ کر واپس آئے تو دیکھا کہ وہ بیٹھی ہوئی ہے۔ وہ کہنے لگی کہ میں سمجھی کہ آج اپریل کی پہلی تاریخ ہے اور تم شاید مجھے بے وقوف بناؤ، اس لیے میں پہلے نہیں آئی۔

اس سے قبل کہ میں یا عائشہ کچھ کہتے ماموں نے سارا واقعہ سب کے سامنے سُنا دیا۔ اب تو اُس نے ہم دونوں کا بہت مذاق اُڑایا اور ہم شرمندگی کے مارے وہاں سے اُٹھ گئے۔ آج بھی اگر یہ واقعہ یاد آتا ہے تو ہم اس اپریل فول کو یاد کر کے خوب ہنستے ہیں، لیکن اُس دن کے بعد ہم نے اپریل فول منانے سے توبہ کر لی ہے۔

میری گڑیا

مرسلہ: عدیلہ اختر، کراچی

گڑیا میری شمّو رانی
باپ کی پیاری ماں کی جانی

کھاتی ہے وہ حلوہ پوری
صبح نہاری، شام کچوری

کھیلے گی وہ آنکھ مچولی
اس کے ساتھ ہیں سب ہم جولی

سیر کو نکلی بستی بستی
کھیلتی، کودتی ہنستی ہنستی

بات کی پکّی ہے وہ سچّی
کہنا مانے اچھی بچّی

پہلی جماعت میں ہے وہ پڑھتی
خوب سبق ہے یاد وہ کرتی

غور سے باتوں کو ہے سنتی
یاد ہے اس کو سو تک گنتی

جان ہے میری شمّو رانی
کیوں نہ سناؤں اس کی کہانی

ہمارا کیا قصور

مرسلہ: شازیہ نورہ، لاہور

ہم آج بہت خوش تھے اور خوش کیوں نہ ہوتے، آج عید تھی۔ آج ہمیں اجازت تھی کہ جو چیز دل چاہے

کھائیں۔ اس لیے کہ عام دِنوں میں بعض چیزیں کھانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اُن چیزوں میں سے ایک پان ہے۔ امّی جان کا کہنا ہے کہ پان دانت خراب کر دیتا ہے۔ ہم آج پان کھانے کی سوچ رہے تھے۔ بھائی جان کے دوست آئے ہوئے تھے اور اب سیر کا پروگرام تھا۔ ہم باہر نکلے۔ ایک جگہ دیکھا کہ پان کی دُکان پر ایک شخص نے ایک پان لیا اُس میں زردہ ڈلوایا اور کھالیا۔ ہمیں اُس وقت تک یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اس کا کیا فائدہ ہے۔ بس ہم نے دو پان خریدے۔ ایک اپنے لیے اور ایک بھائی جان کے لیے اور اس میں بہت سا زردہ ڈلوایا۔ ذرا آگے جاکر اپنا پان منھ میں ڈالا۔ چباتے ہی پتا چلا کہ کچھ کڑوا کڑوا سا ہے۔ خیال آیا کہ پھینک دیں خراب ہو گا، لیکن پھر خیال آیا کہ اگر یہ خراب ہے تو اُس شخص نے کیوں خریدا۔ شاید تھوڑی دیر میں ٹھیک ہو جائے مزا۔

گھر پہنچ کر دیکھا کہ بھائی جان باہر نکل رہے ہیں۔ ہم نے پان ان کے ہاتھ میں تھمادیا۔ پان کاغذ میں لپٹا ہوا تھا۔ انھوں نے کاغذ اُتارا اور پان منھ میں ڈال لیا۔ گھر میں بیٹھے ہم کہیں جانے کے بارے میں سوچ رہے تھے کہ دم اُلٹنے لگا اور پھر جیسے زلزلہ آگیا۔ ہمارے منھ سے نکلا خدایا خیر۔ سر ٹوٹے نہ پیر۔ اتنے میں امی کمرے میں آگئیں اور بولیں "دیکھو مہمان آتے ہوئے ہیں۔" ابھی امّی نے اتنا ہی کہا تھا کہ ہم بولے، "امّی آپ کو مہمانوں کی پڑی ہے، دیکھیے زلزلہ آرہا ہے۔" "خدا نہ کرے کہاں ہے زلزلہ؟" امی بولیں۔ پھر ہم فوراً باہر بھاگے۔ قے ہو گئی اور زلزلہ آہستہ آہستہ تھم گیا، لیکن سارا دن گھر پہ رہنا پڑا۔ دوا کھانی پڑی اور شام کو بھائی جان کی زبردست ڈانٹ بھی۔ آپ بتائیں اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔

میرا تکیہ

مرسلہ: عطیہ اسلام، کراچی

دل و جان سے مجھ کو پیارا ہے تکیہ
مری زندگی کا سہارا ہے تکیہ
مری تن درستی ہے قائم اِسی سے
بہت نیند میٹھی سُلاتا ہے تکیہ
نظر آتے ہیں خواب میں خوب منظر
بہت سیر مجھ کو کراتا ہے تکیہ
کبھی اس کو لیتی ہوں میں گود میں بھی
سمجھتا ہوں میرا کھلونا ہے تکیہ
کتاب اِس پہ رکھ کر میں پڑھتی کبھی ہوں
سبق یاد مجھ کو کراتا ہے تکیہ
میں جب تھک تھکا کر کبھی لیٹ جاؤں
بہت مجھ کو آرام دیتا ہے تکیہ
کسی سے جو لڑ کر کبھی روٹھ جاؤں
ہر اِک سر تھپک کر مناتا ہے تکیہ
خوشی میں بھی، غم میں بھی ہے ساتھ دیتا
ہر اچھے بُرے میں سہارا ہے تکیہ
اسی کی طرح سب کے کام آئیں ہم بھی
سبق ہم کو اچھا سکھاتا ہے تکیہ

اس شمارے کے چند مشکل الفاظ

ہر لفظ کے سامنے اُس زبان کا اشارہ بھی لکھا گیا ہے جس سے وہ لفظ اردو میں آیا ہے۔ یہ اشارے اس طرح سے لکھے ہوئے ہیں : ع = عربی، ف = فارسی، ہ = ہندی، س = سنسکرت، ت = ترکی، انگ = انگریزی، الف = اردو۔

حاذق :(ع) حَا ذِ قْ : ماہر، کامل، استاد۔
کھوہ :(ہ) کھُوْ ہْ : غار، گڑھا، پہاڑ کے اندر کا کھوکھلا حصہ۔
مماثلت :(ع) مُ مَا ثَ لَت : ملتا جلتا ہونا، مشابہ ہونا۔
اثنا :(ع) اَ ثْ نَا : درمیان، بیچ۔
قدر و منزلت :(ع) قَدْ رُ وْ مَنْ زِلَتْ : عزت، منصب، بزرگی۔
مجسّم :(ع) مُ جَسْ سَمْ : سراپا، جسم دار، وہ چیز جس میں طول و عرض اور عمق ہو۔
فلک بوس :(ف) فَلَکْ بُوْ سْ : بہت اونچا، آسمان جیسا بلند، آسمان سے باتیں کرنے والا۔
شفّاف :(ع) شَفْ فَاْ فْ : نہایت صاف، جس میں آر پار نظر آئے۔
سماں :(ہ) سَمَاْ ں : وقت، زمانہ، دور، موقع محل، رُت، موسم، فصل، سال، عالم، کیفیت، حالت، آرائش، تماشا، نظارہ، سیر۔
ضوفشاں :(ف) ضَوْ فِشَاْ ں : منوّر، روشن، چمک دار
پیکر :(ف) پَے کَر : صورت، چہرہ، جُثہ، تن، شکل۔
رائگاں :(ف) رَائے گَاں : ضائع، لاحاصل، بے عوض۔

ارجمند :(ف) اَ رْ جُ مَنْ دْ : قدر، قیمت، مرتبہ، حد، انداز، معزز، عزت والا۔
مفارقت :(ع) مُفَا رَ قَتْ : جدائی، فرقت، علاحدگی۔
عبور :(ع) عُبُوْ رْ : پانی سے گزرنا، راہ پر گزرنا، مسائل پر حاوی ہونا، مہارت۔
طلب گار :(ف) طَلَبْ گَاْ رْ : چاہنے والا، خواہش مند،
تسخیر :(ع) تَسْ خِیْ رْ : تابع کرنا، فرماں بردار بنانا، قابو میں لانا، کسی کا دل اپنی طرف کرنا، فتح کرنا۔
گھمنڈ :(ہ) گھَ مَنْڈْ : غرور، فخر، تکبّر، ناز۔
فائق :(ع) فَا اِ قْ : فوقیت رکھنے والا، اعلا، بڑھا ہوا، معزز، سب سے بڑھ کر۔
بصیرت :(ع) بَصِیْ رَتْ : بینائی، دانائی، رائے، خیال، عقل مندی۔
جبّار :(ع) جَبْ بَا رْ : ظالم، بزرگ، زبردست، اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا نام۔
ماویٰ :(ع) مَا وَ ا : مکان، گھر، واپسی کی جگہ۔
ارفع :(ع) اَ رْ فَعْ : بہت بلند، عالی مرتبہ۔

بزمِ نونہال

◘ دسمبر ۱۹۸۴ء میں بہت اچھی کہانیاں تھیں جنابِ حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ، برکاتی صاحب کی پہلی بات اور کہانیاں ہمارے رسول پاکؐ ذرا پڑھیے تو، تحفہ، جولاہا اور چور، وہ درخت، سوداگر کی لڑکی، انگریز کو چرواہے کی بات ماننی پڑی، مسکراتے رہو، بزدل پہلوان اور چالاک خرگوش بہت پسند آئیں۔ ممتاز علی آرائیں، شہداد پور

◘ میں ہمدرد نونہال کا قاری ہوں اور میں نے اس میں ہر وہ خوبی پائی ہے جو ایک اچھے رسالے میں ہونی چاہیے اور میں نے اسے پاکستان کے تمام رسالوں میں سے بہتر پایا ہے۔

سلام اختر، کراچی

◘ آپ نے جیتنے والے نونہالوں کو مبارک باد دی تھی میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ میرا نام ۲۶ سے ۱۶ والوں میں ہے۔ میں نے بہت کوشش کی تھی کہ میرا نام ۲۵ تک والوں میں آجاتے۔ تاکہ میں حکیم صاحب کی دستخط شدہ کتاب حاصل کرسکوں مگر مجھے بہت افسوس ہوا کہ میں اس اعزاز سے محروم رہی۔ حکیم صاحب کی شخصیت مجھے بہت پسند ہے۔ ان کی دستخط شدہ کتاب میرے لیے باعثِ فخر ہوتی۔ نونہال ہمارے گھر کے تمام افراد پڑھتے ہیں اور ہمیں یہ بہت ہی اچھا لگتا ہے۔ نونہال نے ہماری معلومات میں بہت اضافہ کیا۔ ہمارے محلے والے بھی نونہال بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ تمکین شازیہ، کوئٹہ

> شازیہ! کوشش کرنے والوں کو ایک دن اعزاز و انعام ضرور ملتا ہے۔

◘ جاگو جگاؤ میرا پسندیدہ مضمون ہے اور پہلی بات بھی معیاری ہوتی ہے۔ ہمارے رسول پاکؐ، جولاہا اور چور، وہ درخت، چالاک خرگوش، سوداگر کی لڑکی سب سے زیادہ پسند آیا۔

اختر علی، لانڈھی

◘ میں تقریباً پانچ چھے سال سے نونہال پڑھ رہا ہوں۔ اس کا معیار بہت ہی اچھا ہے۔ جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ ابیر علی میر، کراچی

◘ جاگو جگاؤ، پہلی بات، استاد، ہمارے رسول پاکؐ، ہمارے حضور کا طریقہ، خیال کے پھول، ماموں جان کے دانت، جولاہا اور چور، چالاک خرگوش، سوداگر کی لڑکی اور تمام کہانیاں اور نظمیں پسند آئیں۔ جنوری سے نونہال کے ساتھ جو آٹوگراف ملے گی۔ کیا اُس میں حکیم محمد سعید کی اور ان کے ساتھی جناب مسعود احمد برکاتی صاحب کے بھی آٹوگراف ہوں گے۔ وجاہت جبین بابر، کراچی

> نہیں میاں! پچاس پچپن ہزار دستخط کرنا مشکل بھی تھا اور وقت طلب بھی۔

◘ میں نونہال کا پرانا پڑھنے والا ہوں۔ دو ماہ پہلے ہمدرد نونہال کا خاص نمبر پڑھا تھا۔ یہ خاص نمبر یوں تو اچھا تھا، لیکن پچھلے خاص نمبر سے اچھا نہ تھا۔ نومبر کا نونہال بہت اچھا تھا۔

کاشف ملک، کراچی

◘ نومبر کا رسالہ پڑھ کر دل خوش ہو گیا: بچّوں کے اقبال اور خیال کے پھول پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ کہانیوں میں حرمو اور رحمو، کرشن چندر کی سلسلے وار کہانی چالاک خرگوش اور بزدل بہت پسند آئیں۔ لطیفے بہت ہی اچھے تھے۔

نازیہ صدیق، ڈیرہ غازی خان

◘ ویسے تو نونہال ایک بہت اچھا رسالہ ہے، لیکن اس میں بعض نقل شدہ کہانیاں اور لطیفے ہوتے ہیں جس کو پڑھ کر مجھے بہت افسوس ہوتا ہے اس لیے میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں کہ بعض نقل چور نونہالوں کا کھوج لگاؤں۔

ایم فاروق رزاق، کھارادر

> فاروق میاں! کھوج ضرور لگاؤ، لیکن اس کے ساتھ خود بھی نئے لطیفے بھیجو۔

▫ دسمبر کے نونہال کا ٹائیٹل بڑا خوب صورت تھا میرے خیال میں نونہال بچّوں کا ایسا رسالہ ہے جو تمام رسالوں سے دل چسپ، معیاری اور معلوماتی ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر اس کی خوبی یہ ہے کہ نونہال کی قیمت اتنی کم ہے کہ اسے ہر کوئی آسانی سے خرید سکتا ہے۔ اس ماہ حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ، تحفے، نونہال ادیب اور اخبارِ نونہال بہت پسند آیا۔ چالاک خرگوش کی جگہ کوئی اور سلسلے وار کہانی شروع کریں تو بہتر ہو گا۔ امیر حسین ناشاد، کراچی

▫ دسمبر کے شمارے میں خاص طور پر سوداگر کی لڑکی کی کہانی (سرور جمال) بہت پسند آئی۔ اس کہانی کی میں آپ سب کو مبارک باد دیتا ہوں۔ ظفر محمود بھٹی، شادی پلی

▫ دسمبر کا نونہال قابلِ ذکر ہے۔ سب کہانیاں اچھی تھیں، خاص طور پر جاگو جگاؤ حکیم محمد سعید کا بہت پسند آیا۔ اس سے ہمیں بہت اچھی اچھی نصیحت ملتی ہے۔ اگر اس پر کوئی عمل کرے تو ایک مکمل سچّا انسان بن سکتا ہے۔ میں نے ایک کہانی بھی لکھی ہے کیا آپ اسے شائع کر دیں گے؟

محمد سلیم رضا بھٹی، لانڈھی

نونہالوں کو یہ سوال کرنے کے بجائے اپنی کہانی بھیج دینی چاہیے جو کہانی یا کوئی تحریر اچھی ہوتی ہے وہ نمبر آنے پر شائع ہو جاتی ہے ورنہ واپس بھیج دی جاتی ہے۔

▫ دسمبر کا شمارہ لاجواب تھا۔ سرورق بے حد پسند آیا۔ لطائف، نظمیں، کہانیاں اور تحفے سب کچھ لاجواب تھا۔ نظموں میں ڈاکیا، کہانیوں میں ہمارے رسول پاکؐ، جولاہا اور چور، نونہال ادیب میں "گول گپے" بہت ہی پسند آئے۔ روبینہ فرید، کراچی

▫ مجموعی طور پر رسالہ اچھا تھا۔ جاگو جگاؤ بہترین تھا۔ کہانیوں میں "جولاہا اور چور" اور "وہ درخت" بے مثال تھیں۔ لطیفے عمدہ تھے۔ نونہال ادیب میں "ساٹھ رُپے کے انڈا" بے مثال تھی۔

محمد شبیر، کراچی

▫ دسمبر کے تحفے میں جناب گل خان نیازی، لانڈھی کا لکھا ہوا مضمون "بخشش" انھوں نے اردو کی پانچویں کی کتاب سے نقل کیا ہے۔ سلیم احمد سومرو، سکھر

تحفے میں تو سب چیزیں ہی دوسری کتابوں یا رسالوں وغیرہ سے نقل ہوتی ہیں۔ ہاں گل خاں اگر کتاب کا یا مضمون لکھنے والے کا نام لکھ دیتے تو اچھا تھا۔

▫ دسمبر کا پیارا سا نونہال جیسے ہی ہاتھ میں آیا مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ میں کیا عرض کروں۔ جاگو جگاؤ پڑھتے ہی میری آنکھوں سے آنسو اُبل پڑے، کیوں کہ میں بھی ایک غریب ہوں، لیکن پھر کیا ہوا۔ میں محنت سے بڑا آدمی بنوں گا۔ اپنے پاکستان کے لیے محنت کروں گا۔ اللہ کے فضل و کرم سے ہر پیپر میں پہلی، دوسری یا تیسری پوزیشن حاصل کرتا ہوں۔ شوکت علی، بھر بارو ڈ

▫ جناب حکیم صاحب کی تحریر جاگو جگاؤ بڑی پسند آئی اور ہمارے حضورؐ کا طریقہ یہ بہت اچھی لگی۔

ایم یونس رضا، پنڈ دادنخان

▫ دسمبر کا نونہال پڑھ کر دل کو بہت خوشی ہوئی۔ کہانی "وہ درخت" اور "سوداگر کی بیٹی" بہت پسند آئی اور لطیفے بڑے مزے دار تھے۔ اگر میں اپنے بھائی کی تصویر روانہ کروں تو آپ شائع کر دیں گے؟ اور مجھے "ننھا سیاح" کتاب چاہیے۔ میں کیا کروں؟ سلیم الیاس، لاڑکانہ

اگر بھائی دس سال کے اندر ہے تو اس کی تصویر شائع ہو سکتی ہے۔ "ننھا سیاح" کی قیمت چھے رُپے منی آرڈر یا ڈاک ٹکٹ بھیج دیجیے۔ اگر رجسٹری سے منگوانا چاہتے ہیں تو تین رُپے اور بھیجیے۔

▫ دسمبر کا نونہال پڑھ کر خوشی ہوئی کہ پاکستان میں بھی ایک اچھا رسالہ ہے۔ سرورق بہت اچھا تھا۔ ہم تین بھائی اور ایک بہن ہیں۔ سرورق دیکھ کر ہمیں اپنی ۱سال پہلے کی تصویر یاد آ گئی۔ کہانیاں بہت خوب صورت اور بے مثال تھیں۔ تحفے، خیال کے پھول، نونہال مصور، کارٹون اور جاگو جگاؤ بہت پسند ہیں۔

مرزا شاہ جہاں فیفی، کراچی

▫ میں ہمدرد نونہال بڑے شوق سے پڑھتی ہوں۔ اس میں بڑی معلوماتی باتیں ہوتی ہیں اور بڑے معلوماتی مضامین ہوتے ہیں۔ سمعیہ البعاد

□ میں پانچویں سے لے کر نویں جماعت تک نونہال پڑھ رہا ہوں اور ان شاء اللہ آگے بھی پڑھتا رہوں گا۔ خدا ہمدرد نونہال کو اور ترقی اور شہرت عطا فرمائے۔ میں سندھی ہوں اگر کوئی غلطی ہو گئی ہو تو معاف کر دیجیے گا، کیوں کہ میری اردو لکھائی خراب ہے۔ دسمبر کا نونہال بہت پسند آیا۔ سوداگر کی لڑکی، جاگو جگاؤ، ہمارے رسولِ پاکؐ اور حالاتِ قائدِ اعظم بہت پسند آئے۔ اگر میں نونہال مصور میں تصویر بنا کر ارسال کروں تو کیا آپ شائع کر دیں گے اور میں وہ تصویر کتنی بڑی بنا کر بھیجوں؟

آصف علی خاں، ٹنوں عاقل

□ تمام کہانیاں اور لطائف بہترین تھے۔ خاص طور پر جاگو جگاؤ میں حکیم محمد سعید صاحب نے بہت اچھی باتیں بتائیں۔ نونہال ادیب کے صفحہ نمبر ۹۰ پر نظم "قائدِ اعظم" سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ حیدرآباد کی تیسری کتاب سے نقل کی گئی ہے۔

سلمان حلیم، راول پنڈی

> یہ نظم جس نے بھیجی تھی، اس کا نام چھپنے سے رہ گیا تھا۔ اب ہم بھی چھپا ہی رہنے دیتے ہیں۔

□ میں نونہال کی باقاعدہ قاری ہوں اور میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ نونہال جیسا معیاری، معلوماتی اور دل چسپ رسالہ کسی ادارے نے شائع نہیں کیا۔ مہینے کے شروع ہی میں نونہال کا جگ مگ جگ مگ کرتا ٹائٹل اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ آ پہنچتا ہے۔

صائمہ غزل، فیصل آباد

□ دسمبر کا جاگو جگاؤ بہت سبق آموز تھا۔ اگر اس جاگو جگاؤ سے کوئی ایک شخص بھی سبق حاصل کر لے تو بہت بڑی بات ہے۔ آج کل کے نوجوان ترقی کی راہوں میں آگے سے آگے نکلنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ کتنے طالب علم ایسے ہوں گے کہ جو صحیح طریقے سے امتحان میں پاس ہوتے ہیں۔ پستول، چاقو، چھرے وغیرہ، ان سبھوں کے استعمال نے درس گاہوں کو کسی فلم کا اسٹوڈیو بنا کر رکھ دیا ہے۔ اساتذہ کا احترام ختم ہو گیا ہے۔ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ راتوں رات امیر بن جائے۔ مگر اس کے لیے بھی محنت چاہیے۔ نہ یہ کہ اس کے لیے شارٹ کٹ کا راستہ اختیار کیا جائے۔ کیا فائدہ ایسی دولت کا جو ضمیر پر ایک بوجھ ہو۔ ایسا لگ رہا ہے آج کل انسان کے اندر ضمیر نام کی کوئی چیز ختم ہوتی جا رہی ہے۔ جب انسان خود ہی نہیں سدھرنے کی کوشش کرے گا تو حکومت کیا اللہ تعالیٰ بھی اس کو نہیں سُدھاریں گے۔ دسمبر کے شمارے میں مجھ کو شبیر محمد شارق دہلوی صاحب کا ہمارے رسولِ پاکؐ بہت پسند آیا۔ پہلی بات بھی اچھے طریقے سے لکھی گئی ہے آپ نے مشورہ مانگا ہے تو عرض ہے کہ آپ نونہال میں سے لطیفے کا سلسلہ ختم کر دیجیے۔ وہی پرانے گھسے پٹے لطیفے ہوتے ہیں۔ سچی کہانیوں کا سلسلہ شروع کر دیجیے تو کیسا رہے گا۔ میرا چھوٹا بھائی ایک تصویر نونہال مصور میں بھیجنا چاہتا ہے تو کتنی بڑی تصویر بنا کر بھیجے تو چھپ جائے گی۔ معلوماتِ عامہ کے سوالات صرف ادارے کے ذمے ہیں۔ اگر اس کے سوالات کوئی قاری بھیجنا چاہے تو کیا کرے۔ اپنی پسندیدہ شخصیت حکیم محمد سعید صاحب کو ٹی وی پروگرام چہرے میں دیکھ کر اتنی خوشی ہوئی کہ الفاظ اس کے لیے ناکافی ہیں۔

شمیم عبداللہ، کراچی

> شمیم میاں! خیالات تو تمھارے بہت اچھے ہیں، لیکن مایوسی اچھی نہیں۔ اگر ہم میں سے ہر شخص تھوڑی سی ہمت کرے تو حالات بہت جلدی ٹھیک ہو جائیں گے۔ لطیفوں اور سچی کہانیوں کے بارے میں دوسرے دوست بھی رائے لکھیں، لیکن سچی کہانیاں کون لکھے گا؟ چھوٹے بھیا کی بنائی ہوئی تصویر دیکھوں تو سہی۔ سوالات آپ بھی بھیج سکتے ہیں، لیکن کہاں سے لیے ہیں؟ یہ بھی لکھنا۔

□ جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ بہت پسند آیا۔ کہانیوں میں چالاک خرگوش، ماموں جان کا دانت، جولاہا اور چوہا، سوداگر کی لڑکی اور لطیفے بہت اچھے تھے۔ نونہال ادیب کے تو واہ واہ کیا کہنے ہیں۔

غلام محمد، ڈرگ کالونی

□ سب سے پہلے نمبر پر مضمون ہمارے رسول پاکؐ تھا۔ دوسرے نمبر پر کہانیاں جولاہا اور چور اور سوداگر کی بیٹی تھی۔ تیسرے نمبر پر نظم استاد اور ڈاکیا تھی۔ لفظ "جاں فزا" کے معنی بتا دیجیے۔ مہربانی ہوگی۔
الیاس احمد، ہری پور

> "جاں فزا" کے معنی ہیں "خوشی بڑھانے والا یا والی۔

□ مجھے ہمدرد نونہال اتنا پسند ہے کہ میں جیب خرچ سے اسے خریدتا ہوں، جس کی وجہ سے میں اکثر ڈانٹ سنتا ہوں کہ پیسے ملتے ہیں تو صرف کتاب ہی لے آتا ہے کھاتا پیتا کچھ نہیں۔ اب آپ ہی بتائیں کہ میں کیا کروں۔ میں باہر سے اس لیے چیزیں خرید کر نہیں کھاتا کہ اس میں گندگی بہت ہوتی ہے۔ کتاب اس لیے پڑھتا ہوں کہ اس سے ہمیں بہت فائدہ پہنچتا ہے۔ ہمارے اندر لکھنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ ہم اتنے امیر بھی نہیں ہیں کہ کتاب بھی خریدیں اور چیزیں بھی کھائیں۔
فہیم احمد، اورنگی ٹاؤن

> فہیم، آپ کی فہم قابلِ داد ہے۔

□ جناب فیض لودھیانوی کی نظم استاد بے حد پسند آئی اور تمام کہانیاں اچھی تھیں۔
رانا ندیم حیدر، کورٹ غلام محمد

□ نونہال بے حد پسند ہے۔
محمد ذاکر، لانڈھی

□ نئے سال کا شمارہ بہت پسند آیا۔ جناب حکیم محمد سعید صاحب کے جاگو جگاؤ نے میرے دل پر ایک اثر کر دیا اور میں نے عزم کر لیا کہ اب کبھی مایوسی کو غالب نہیں ہونے دینا۔ محنت کرنی ہے۔ چاہے کتنی ناکامیاں ہوں، مایوس نہیں ہونا۔ جد و جہد اور خدمت کو اپنانا ہے، کیوں کہ ہر انسان انھی چیزوں سے آگے بڑھتا ہے اور دنیا میں مقام حاصل کرتا ہے۔ جناب حکیم محمد سعید کی تمنا ہے کہ "میرے وطن کا ہر نونہال اس راز کو سمجھ لے"۔ میں اس راز کو سمجھ گئی ہوں۔ مسعود احمد برکاتی صاحب کی پہلی بات بہت اچھی ہے۔ جس نے مجھے آگے بڑھنے کا حوصلہ دیا ہے۔ ۲۵ سال کی کہانی سے واقعی وقت کی اہمیت ہمیں معلوم ہوئی۔ جناب حکیم محمد سعید بہت اونچے اور عظیم انسان ہیں۔ نظمیں، کہانیاں، کارٹون، لطیفے، تحفے اور دوسرے مضمون بے حد پسند آئے۔ آٹوگراف بہت پسند آئی۔ اچھا ہوتا کہ محترم جناب حکیم محمد سعید صاحب اور آپ ان آٹوگرافوں میں اپنے آٹوگراف دے دیتے۔ ہر نونہال کی یہی خواہش ہوگی۔
ثروت افروز خان، حیدرآباد

□ آپ کا رسالہ نونہال میرے زیرِ مطالعہ رہتا ہے۔ ہمارے گھر میں پرانے رسالے محفوظ ہیں۔ نومبر ۱۹۸۱ء کے رسالے میں صفحہ نمبر ۸۹ پر ایک کہانی "دل چسپ خواب" پڑھ کر حیران ہوا کہ ثروت جبین نے آپ ہی کے رسالے نونہال جون ۱۹۷۸ء سے نقل کی ہے۔
سید علی دوست، کراچی

> ثروت جبین کا نام ایک سال کے لیے لکھ لیا گیا ہے، کیوں؟ یہ تو سب کو معلوم ہے۔

□ آپ سے گزارش ہے کہ آپ نونہال کو پندرہ روزہ کر دیں کیوں کہ یہ بہت جلد ختم ہو جاتا ہے۔ پہلی دفعہ بزم نونہال میں شرکت کر رہی ہوں۔ امید ہے ضرور میرا خط شائع کریں گے۔
حمیرا، کراچی

□ جاگو جگاؤ اچھا تھا۔ کہانیوں میں سلسلے وار کہانی چالاک خرگوش اور فقیر اور ہرن، آٹھواں بیٹا اور لطیفے بہت پسند آئے۔
محمد محسن مرزا، کراچی

□ یوں تو میں ہر رسالہ لائبریری میں پڑھ لیتا ہوں، مگر نونہال ہمیشہ خریدتا رہا ہوں اور خریدتا رہوں گا۔ نونہال میں تمام کہانیاں بہت پسند آئیں، خاص طور پر جولاہا اور چور اور سوداگر کی بیٹی بہت پسند آئی۔ میں منشیات کے بارے میں مضمون لکھ کر بھیجوں تو کیا آپ میری تحریر شائع کریں گے؟
شمشاد احمد، کراچی

> کوئی تحریر دیکھے بغیر فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ نونہالوں سے درخواست ہے کہ وہ یہ سوال نہ کیا کریں۔ تحریر بھیج دیا کریں۔ پڑھ کر جواب دے دیا جاتا ہے۔

□ کہانیوں میں ماموں جان کے دانت، تحفے، جولاہا اور چور، وہ درخت، انگریز کو چرواہے کی بات ماننی پڑی، چالاک خرگوش اور کارٹون یہ سب بہت ہی اچھی تھیں۔
سید انور حسین، کراچی

□ دسمبر کا نونہال اچھا تھا لیکن میں آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ مشتاق صاحب کارٹونسٹ ہیں ان سے تصویریں نہ بنوایا کریں بزدل پہلوان مختصر مگر اچھی کہانی تھی۔ لطیفے زیادہ اچھے نہ تھے۔ جنوری میں مفت آٹوگراف بک کا پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ میری خواہش ہے کہ اس میں آپ آٹوگراف بک دے کر بھیجیں تو یہ تحفہ زیادہ قیمتی ہو جائے گا۔

جاوید ممتاز خانزادہ، نواب شاہ

□ ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا مضمون بے حد پسند آیا۔ کہانیوں میں ماموں جان کا دانت، جولاہا اور چور، وہ درخت، اور سوداگر کی لڑکی بے حد اچھی تھیں۔ ہمیں پتا نہیں چلتا کہ ہماری کہانیاں شائع ہونے کے قابل ہیں یا ردی کی ٹوکری کی نذر ہو گئی ہیں۔ ایک کالم میں آپ "ناقابلِ اشاعت تحریریں" چھاپ دیا کریں۔ شازمہ کنول، فیصل آباد

اب تو ہم وہ تحریریں ڈاک سے واپس بھیج دیتے ہیں جو قابلِ اشاعت نہیں ہوتیں۔

□ سارا مہینہ نونہال کا انتظار کرتا ہوں۔ اس مرتبہ کہانیوں میں علی اسد کا "جولاہا اور چور"، میرزا ادیب کا وہ درخت، سرور جمال کی سوداگر کی لڑکی اور مسکراتے رہو بہت پسند آئے۔

سید عبدالوہاب، چمن

□ کہانیوں میں سلسلے وار کہانی چالاک خرگوش بہت پسند آئی۔ وہ درخت، سوداگر کی لڑکی، انگریز کو چرواہے کی بات ماننی پڑی اچھی کہانیاں تھیں۔ اطہر یوسف زئی، ٹنڈو الہ یار

□ میں تقریباً ایک سال سے نونہال پڑھ رہی ہوں اور پسند کر رہی ہوں۔ صفحہ نمبر ا پر ہمدرد نونہال کا پتا موجود ہے مگر اس کے لیے لفظ "پتا" لکھا گیا ہے۔ اگر آپ کے خیال میں آپ نے صحیح لکھا ہے تو میری غلط فہمی دُور کیجیے ورنہ اسے درست کیجیے، کیوں کہ ہم بچے اس سے بہت کچھ سیکھتے ہیں۔

ارم عابدی

پتا ہندی لفظ ہے اور اس کے آخر میں ہ نہیں ہے۔ اس لیے پتا الف سے زیادہ صحیح ہے۔

□ مجھے نونہال بہت پسند ہے۔ دسمبر کا شمارہ پڑھ کر دل خوش ہو گیا۔ کہانیاں اور لطیفے بہت عمدہ تھے۔

حمیرا اختر، کراچی

□ سوائے چالاک خرگوش کے سارے کا سارا نونہال اچھا تھا۔ چالاک خرگوش پڑھنے سے نونہال کا سارا مزا کرکرا ہو جاتا ہے۔

محمد عمران صدیقی، اسلام آباد

□ اس دفعہ کا نونہال اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ، پھولوں کی طرح حسین، ہنستا مسکراتا اور خوشیاں بکھیرتا ہوا ملا۔ اس شمارے کو پڑھ کر یوں محسوس ہوا جیسے ہم نے خاص نمبر پڑھ لیا ہو۔ واقعی آپ کا نعرہ کامیاب رہا۔ "نونہال کا ہر شمارہ خاص شمارہ"۔ کہانیاں تمام ہی اچھی تھیں، خاص طور پر سوداگر کی لڑکی، محترم سرور جمال وہ درخت، جناب میرزا ادیب اور انگریز کو چرواہے کی بات ماننا پڑی، جناب مناظر صدیقی اچھی کاوشیں تھیں۔ نظموں میں جناب فیض لودھیانوی کی نظم استاد نمبر ایک رہی۔ جناب علی ناصر زیدی کا ہمدرد انسائکلوپیڈیا بھی اچھا رہا۔ رسالے میں جس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ تھا جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ۔

خواجہ انوار احمد، بھیرہ

□ آپ کا رسالہ نونہال میرے ہی نہیں بلکہ سب کے خیال میں دنیا کا بہترین رسالہ ہے۔ میری سب سہیلیوں کو بھی یہ رسالہ پسند ہے۔ راشدہ ہادی، بہاول پور

□ نونہال ادیب کی کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ لطیفے بھی اچھے تھے۔ سرورق بھی خوب صورت تھا۔

خواجہ عنبر مشتاق، آزاد کشمیر

□ نونہال ہم سب گھر والوں کا پسندیدہ رسالہ ہے۔ میرے بھائی کے برٹش اُستاد نے میرے بھائی سے کہا کہ ان کے بچے بھی نونہال پڑھتے ہیں مگر وہ انگلش میں ہوتا ہے۔ کیا واقعی ہمدرد نونہال انگلش زبان میں بھی شائع ہوتا ہے؟

نبیلہ عبداللہ بلوچ، اسلام آباد

نہیں، ہمدرد نونہال تو اردو پڑھنے والے بچوں کی خدمت کر رہا ہے۔

□ نونہال ادیب میں ساٹھ رُپے کا انڈا اور رات کی چڑیا بہت ہی اچھے تھے۔ آپ بہت ہی بے کار لطائف شائع کرتے ہیں۔ دوستوں سے گزارش ہے کہ اچھے لطائف بھیجا کریں۔

محمد حسن عامر، گوادر

□ پورے پاکستان میں نونہال واحد رسالہ ہے جو کم قیمت اور بچّوں کے لیے مفید ہے۔ دسمبر کا نونہال بہت پسند آیا۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ خط میں کوئی غلطی ہو تو معاف کرنا۔

مختار کوثر، کراچی

□ میں چار پانچ ماہ سے آپ کا رسالہ نونہال پڑھ رہا ہوں۔ کیوں کہ ہم چھے سات مہینے ہوئے کوہاٹ سے آئے ہیں اور ذات کا پٹھان ہوں۔ لہٰذا اگر کوئی غلطی ہو تو معاف کر دیں۔ دسمبر کا شمارہ بہت پسند آیا۔

شوکت علی، کراچی

□ جب میں نے پہلی مرتبہ نونہال لیا تھا تو اُس وقت آٹھ سال کا تھا، اب میں ماشاء اللہ تیرہ سال کا ہوں۔ میں نے نونہال میں پڑھا کہ دوسروں کو بھی نونہال لینے کی ترگیب (ترغیب) دیں اور پڑھنے کو دیں۔ اُس دن سے میں نے یہ کوشش شروع کر دی اب تک میں نے دس نونہالوں کو نونہال کا گرویدہ کر لیا ہے۔

نام پتا نامعلوم

□ ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم رسالے کی جان تھا۔ جناب بطیر نے تو گویا دریا کو کوزے میں بند کر لیا۔ "سوداگر کی لڑکی" معیاری نہ تھی۔ "نونہال ادیب" اب اتنا دل چسپ نہیں رہا جتنا کہ کچھ عرصہ قبل ہوا کرتا تھا۔

رئیسہ کوثر، کراچی

□ جاگو جگاؤ نے ہمیشہ کی طرح متاثر کیا۔ "سوداگر کی بیٹی" بہت اچھی کہانی تھی۔ جولاہا اور چور بھی اچھی تھی۔ نظموں کی تعداد میں اضافہ کر دیا جاتے تو نونہال کی خوب صورتی میں اور اضافہ ہو جائے۔ براہ مہربانی لفظ "تصوّر" کا درست اور مستند تلفظ بتا دیں۔

قرۃ العین تبارک، کراچی

تَصَوُّر کی ت اور ص پر زبر، واؤ پر تشدید اور پیش ہے۔ ر ساکن ہے۔

□ نونہال ایک اصلاحی رسالہ ہے۔ خدا کرے اس کا معیار سدا برقرار رہے۔ نونہال دو مسافر دو ملک کے بغیر پھیکا لگتا ہے۔

محمد یوسف، کراچی

□ میرا حسین و جمیل ہمدرد نونہال ہر ماہ ادبی، سائنسی، سبق آموز، دل چسپ کہانیاں اور مضامین، عجیب و غریب معلومات، کارٹون، رنگ برنگی پہیلیاں اور دوسری چیزیں اپنی گود میں سمیٹے رونق افروز ہو کر جب ہم تک پہنچتا ہے تو ہماری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا۔

سلیم رضا شاہ، راول پنڈی چھاؤنی

□ کہانیاں بہت معیاری تھیں۔ ہمارے رسول پاک ﷺ اور ہمارے حضور اکرم ﷺ کا طریقہ" پڑھ کر تو خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ سلسلے وار کہانی "چالاک خرگوش" بہت اچھی ہے۔

محمد عرفان، کراچی

□ رسالہ بے حد پسند آیا۔

اسد رحمان، ساہیوال

اُن نونہالوں کے نام جنھوں نے ہمیں بہت اچھے اچھے خط لکھے، لیکن جگہ کی کمی کے باعث اُن کے صرف نام دیے جا رہے ہیں۔

کراچی:۔ مسعود عروج، محمد آصف مصطفٰے، شازیہ الاسلام، لبنیٰ عمر، رملا عباس، شاہد اختر، فاروق الدین، عصمت جہاں، امانت علی شاہ، محمد عاصم، راشد چراغ، محمد مشعل، سید علی رضا، محمد اسلم یامین، چاند سلطانہ عروج، سید مبشر احمد قادری، رحمٰن خاں، جاوید اقبال۔ حیدر آباد:۔ شائستہ عنبرین۔ ٹھٹھہ:۔ ذوالفقار علی شاہ حسینی۔ اسلام آباد:۔ عارف حسین ترلائی۔ جہلم:۔ شگفتہ افشاں، ناہید سلطانہ، شازیہ، فرخندہ۔ جہلم: علی مراد۔ لاہور: ملک محمد صدیق۔ ڈیرہ:۔ سجاد احمد۔ ٹیکسلا:۔ شاہد حسن۔ لاڑکانہ:۔ ارشاد حسین۔ لاہور:۔ بابر علی اختر ماچھی۔ مینگورہ سوات:۔ عزیز الرحمٰن دانش۔ بھیرہ:۔ خواجہ انجم ضیا جہلمی۔ خان پور:۔ رحمت اللہ تبسم۔ ٹھٹھہ:۔ شاہ رُخ حبیب، جمیلہ حبیب۔ حیدر آباد:۔ سہیل احمد ثاقب۔ مقام نامعلوم:۔ ریحانہ اصغر علی، سمیرا اسکندر۔

معلومات عامہ ۲۲۴ کے صحیح جوابات

ہمدرد نونہال کی مقبولیت میں جیسے جیسے اضافہ ہوتا جا رہا ہے معلوماتِ عامّہ کے جوابات **میں حصہ لینے والوں** میں دل چسپی بڑھتی جا رہی ہے۔ ہم سے بعض نونہالوں نے شکایت کی ہے کہ ہماری تصویریں کیوں شائع نہیں کی گئیں، جب کہ ہمارے تمام جوابات درست تھے۔ بات یہ ہے جن کی عمر اچھی ہو گئی ہے یا وہ اپنی عمدہ صحت کی وجہ سے ماشاءاللہ جوان معلوم ہوتے ہیں ان کی تصویریں نونہالوں کے ساتھ کچھ اچھی نہیں معلوم ہوتیں۔ اس لیے ہم ذرا تامل کرتے ہیں۔ ویسے بھی اصل چیز تو نام ہے۔ نام بہت بڑا انعام ہے۔ معلوماتِ عامہ ۲۲۴ کے صحیح جوابات یہ ہیں:۔

۱۔ قرآنِ حکیم کی کئی سورتوں میں دو سے زیادہ قسمیں کھائی گئی ہیں، مثلاً الطُّور، اَلمُرسلات، اَلنّازعات، اَلتّکوِیر، الاِنفطار، اَلبُروج، اَلفجر، اَلبلد، اَلشّمس، اَللّیل، اَلتّین، اَلعادیات وغیرہ وغیرہ۔

۲۔ پی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ آر (PCSIR) کا پورا نام پاکستان کاؤنسل اوف سائنٹی فک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ ہے۔ یہ ایک سرکاری ادارہ ہے۔ اس کا کام سائنسی اور صنعتی میدانوں میں تحقیق کرنا ہے۔

۳۔ پاکستان میں سب سے زیادہ گرمی جیکب آباد، سندھ میں پڑتی ہے۔

۴۔ حضرت لعل شہباز قلندر کا مزار سہون (سندھ) میں واقع ہے۔

۵۔ کھیلوں کے سامان کے لیے پاکستان کا شہر سیالکوٹ مشہور ہے۔

۶۔ اردو کے مشہور و ممتاز شاعر اور صحافی جناب رئیس امروہوی کا اصلی نام سید محمد مہدی ہے۔

۷۔ ہائڈ پارک شہر لندن میں واقع ہے۔

۸۔ ۹۔ جنوری کو مشہور طبی و علمی شخصیت حکیم محمد سعید کی سال گرہ کا دن ہے۔ حکیم صاحب ۹۔ جنوری ۱۹۲۰ء کو دہلی میں پیدا ہوئے تھے۔

۹۔ پاکستان پلاننگ کمیشن کا نام پہلے پلاننگ بورڈ تھا۔ اس کے پہلے چیرمین جناب زاہد حسین تھے۔

۱۰۔ بیس بال (BASE BALL) امریکا کا قومی کھیل ہے۔

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

افشاں عامر
سیما حیدر
محمد اکرم قریشی
عالیہ حیدر
فہمیدہ اکرم
کلیم حیدر
طارق علی قریشی
عمران حیدر
سید زین العابدین زیدی
ثمینہ قریشی
تجمل عالم
اسلام الدین انصاری

تحصیل سنجھورو

محمد یامین مغل
مبارک علی خان شیخ
غلام رسول پارس، سانگھڑ
محمد امین سیف الملوک، سانگھڑ

لودھراں

پیرزادہ مسعود احمد صدیقی

حیدرآباد

زین العابدین محمد سلیمان

لاہور

صوفیہ صابرہ

سیالکوٹ

مخمور احمد لوبی

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

وحید احمد خاں، کراچی

علی محمد ابراہیم، کراچی

شفاء الحسن انصاری، پرانا سکھر

غلام مرتضیٰ غوری، ملتان

محمد الیاس انصاری، کراچی

ایس مظہر علی جعفری، ملتان

کھتری محمد صابر محمد احمد، حیدرآباد

محمد طاہر آرائیں، سنجھورو

حفیظ الرحمٰن خانزادہ، حیدرآباد

ثمینہ نوشین، کراچی

محمد محبوب الرحمٰن، کراچی

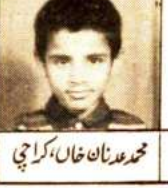
محمد عدنان خاں، کراچی

مشتاق رحمت اللہ، کراچی

نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

شعیم عالیہ
محمد سعید
احمد افضل
سید حسن عباس
جاوید علی نقوی
محمد فیاض
محمد حمید
عدنان اقبال شادمانی
محمد اشرف
یاسین گوجر
انیس گل واسطی
شیراز علی
شہناز فاطمہ
انجم پروین
محمد سہیل ایوب
محمد اظہر ایوب
نجمہ عبدالمجید
شبانہ عزیز
عظمیٰ سعید
شہناز فاطمہ نقوی
محمد جاوید
محمد عارف
عالیہ بانو
زرّین عثمانی
ریحانہ یاسمین
عبدالحامد
محمد یونس
شاہد اختر
محمد زاہد یوسف
عنبرین فاطمہ
شفقت ناز
محمد ظفر ایوب
محمد سرور ایوب
محمد افضل
پرنس فہیم الرحمٰن
محمد جاوید گوجر
معین اختر موٹو
امجد حسین
فخر النساء جعفری
حمیرا سیف
سید عمّار یاسر زیدی
احمد حسین
نوشاد انور
نشاط انور
محمد کامران مرزا
محمد ازہر محمود عالم عثمانی
کوثر نظامی
سلیم انور عباسی
محمد شاز یہ رفعت
محمد ذیشان ایوب
محمد سمیر قریشی

ملتان

پرنس غلام مرتضیٰ غوری
مسعود سرور گوندل
زرّین عثمانی، کراچی
محمود شاہ، حیدر آباد
ہیرا، حیدر آباد
ریاض الدین، حیدر آباد

نواب شاہ

طارق اشرف آرائیں

میاں چنوں، خانیوال

دلشاد احمد،

اسلام آباد

محمد سلیم خیر الدین
عزیز احمد تبسم، ضلع سوات

سوویت یونین کے سائنس دانوں نے ایک عجیب و غریب کنگھی ایجاد کی ہے، جس کے بالوں میں پھیرنے سے سر کے درد سے نجات حاصل کی جاسکے گی۔ اس کنگھی میں ۹ وولٹ برقی قوت استعمال ہوتی ہے۔ اس کے دندانے دھات کے ہیں۔

مرسلہ: سہیل احمد، دولت نگر

لحمیات (پروٹینز) کے وجود سے روئے زمین پر حیات ممکن ہوئی!

حیاتِ انسانی اور صحتِ جسمانی کے لئے لحمیات (پروٹینز) خوراک کا ناگزیر حصہ ہیں۔ انسان کی انفرادیت وشخصیت اور اعمال و وظائف کی تکمیل اور خیالات کی توانائی لحمیات کے بغیر ممکن نہیں۔ لحمینا چنیدہ جڑی بوٹیوں، پروٹینز، کاربوہائیڈریٹس اور دیگر غذائی اجزا کا ایک متوازن مرکب ہے۔

روزانہ کے تھکا دینے والے کام جب جسم انسانی کے کل پرزوں کو کمزور کردیتے ہیں، تو وہ صرف پروٹینز سے دوبارہ نشوونما حاصل کرتے ہیں۔

لحمینا بجا طور پر جسم انسانی کے لئے ایک مفید اور قابلِ اعتماد غذائی معاون ہے۔

لحمینا کا روزمرہ باقاعدگی سے استعمال جسم انسانی کی نشوونما کو برقرار رکھتا ہے اور جسم میں توانائی پیدا کرتا ہے۔

خاندان کے ہر فرد کے لئے ایک مکمل غذائی ٹانک

لحمینا — برائے اسٹیمنا

ہمدرد

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

ادارہ اخلاق

احسان کا بدلہ نہ ادا کرسکو تو شکریہ ادا کرو۔

Adarts L.A-1/81

رجسٹرڈ ایس نمبر ۱۹۰۳ ہمدرد نونہال فروری ۱۹۸۵ء

ہوگا دنیا میں تو بے مثال میرے بچے میرے نونہال

فطری طور پر کوئی دو بچے اپنی شکل وصورت، عادات واطوار اور دماغی صلاحیتوں کے اعتبار سے ایک جیسے نہیں ہوتے اور یوں ہر بچہ بے مثل کہلایا جاسکتا ہے۔ لیکن ہر ماں اپنے بچے کو انفرادی طور پر ایک تن درست، روشن دماغ اور بے مثل کامیاب انسان دیکھنا چاہتی ہے۔ اس آرزو کی تکمیل کا زیادہ تر انحصار بچے کی صحیح اور صحت مند پرورش پر ہے۔

دوراندیش مائیں اپنے بچوں کی صحت مند پرورش اور آرام وسکون کے لیے انہیں نونہال ہربل گرائپ واٹر باقاعدگی سے دیتی ہیں۔

جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ خوش ذائقہ نونہال ہربل گرائپ واٹر بچوں کی آئے دن کی تکالیف مثلاً بدہضمی، قبض، اپھارہ، قے و دست، بے خوابی، دانت آنا اور پیاس کی شدت وغیرہ کے لیے ایک مفید اور مؤثر گھریلو دوا ہے۔

نونہال
ہربل گرائپ واٹر
بچوں کو مطمئن، مسرور اور صحت مند رکھتا ہے

Naunehal
Herbal Gripe Water
Hamdard